حضرت انسان

قرآن

کے آئینے میں

تالیف: آصف جلیل

پیش لفظ

یہ جملہ بہت عام ہے کہ ''انسان اشرف المخلوقات ہے''۔ یہ دعویٰ بہت بڑی خوش فہمی بلکہ غلط فہمی کی بنا پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے اور وہی سب سے زیادہ اس کے بارے میں جانتا ہے۔ انسان کے دل میں گزرنے والے خیالات بھی اس سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ کی بات ہی یقینی اور شک وشبہ سے بالاتر ہے کیونکہ وہی انسانوں اور تمام کائنات کا خالق ہے۔ قرآن کریم میں انسانوں کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کی روشنی میں انسانوں کا دعویٰ بہت حد تک باطل نظر آتا ہے۔ اس کے مطابق جو شخص جس حد تک قرآنی اقدار کا پابند ہوگا اتنا ہی انسانیت کی بلندی پر ہوگا۔ اس جہت سے انبیاء کرام اور ان کے ساتھی اعلیٰ ترین مراتب پر فائز تھے۔ لیکن جو لوگ اللہ کی ہدایت پر عمل نہیں کرتے جس کے لیے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں کا استعمال ضروری ہے تو وہ انسانیت کے پست ترین مقام سے بھی گر کر جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتے ہیں۔ لہذا ایسے لوگوں کو اشرف المخلوقات کے زمرے میں شمار کرنا انسانیت کی توہین ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی ذہنیتوں کے بارے میں بہت سے مقامات پر ذکر کیا ہے۔ مثال کے طور پر جھوٹوں کو لعنت کا حقدار قرار دیا ہے تو ہمارے لئے یہ اطمینان کرنا ضروری ہوگا کہ کہیں ہم تو جھوٹ کے مرتکب تو نہیں ہو رہے۔ اس طرح کی بہت سی خصلتوں کے بارے جو آیات آئی ہیں انہیں اس کتاب میں یکجا کر دیا گیا ہے۔ اس آئینے میں نہ صرف ہر انسان اپنا چہرہ دیکھ سکتا ہے بلکہ دوسروں کے بارے میں بھی جان سکتا ہے۔ انہیں پڑھ کر آپ حیران ہوں گے کہ یہ سب ہمارے جانے پہچانے لوگ ہیں۔ ان سے ہر روز ہمارا واسطہ پڑتا رہتا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں قرآن کریم کی شکل میں ہدایت دی ہے۔ ہمارا ہر قدم اسی کی متعین کردہ راہ کی طرف اٹھنا چاہیے۔

آصف جلیل

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (2:6)

کافروں کو آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے ، یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے

جب تک انسان کسی عمل کے نتیجے کا انکار کرتا رہتا ہے، یہ ممکن نہیں کہ اس پر کسی قسم کی آگاہی اثر انداز ہو سکے۔ انسانوں کی اکثریت جب تک خود تجربے سے نہ گذرے وہ کسی کے بتانے سے باز نہیں آتی۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۘ O يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ، وَ مَا يَخْدَعُوْنَ

اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ (2:8-9)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں ، لیکن درحقیقت وہ ایمان والے نہیں ہیں ۔ وہ اللہ تعالیٰ کو اور ایمان والوں کو دھوکہ دے رہے ہیں ، مگر سمجھتے نہیں۔

یہاں ایک اہم حقیقت بیان کی گئی ہے کہ ایمان کا تعلق زبان سے نہیں ہے۔ انسان کا عمل ثابت کرتا ہے کہ وہ کس بات پر فی الواقع ایمان رکھتا ہے۔ اگر کسی شخص کو ایک لاکھ روپے کی پیشکش کی جائے کہ وہ بجلی کے ننگے تار کو چھولے تو وہ صاف انکار کر دے گا۔ لیکن وہی شخص ایک ہزار روپے بطور رشوت قبول کر لے گا۔ تو ثابت ہوا کہ اس بات پر تو اس کا ایمان ہے کہ بجلی سے موت واقع ہوتی ہے لیکن اس بات پر ایمان نہیں ہے کہ رشوت اس کی ذات کے لیے نقصان دہ ہے۔ ہماری اکثریت کا آخرت پر ایمان محض زبانی ہے کیونکہ وہ قرآنی اقدار کی خلاف ورزی کر رہی ہے۔ اس طرح کے زبانی ایمان سے کوئی شخص دوسروں کو نہیں بلکہ خود کو دھوکہ دے رہا ہوتا ہے کیونکہ ہر عمل کا نتیجہ تو خود اس نے بھگتنا ہو گا۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ O اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَ لٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۔ (2:11-12)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔
خبردار ہو! یقیناً یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن شعور نہیں رکھتے۔

یہ قرآن کی ابدی صداقتوں کی نشانی ہے کہ اس نے ایسی ذہنیتوں کا ذکر کیا ہے جو ہر دور میں نظر آتی ہیں ۔ مذکورہ آیات میں جو روش بیان کی گئی ہے آج اس کا مظاہرہ بہت عام ہے۔ اصلاح کے نام پر جو فساد کی آگ پاکستان میں لگائی گئی ہے وہ بجھنے نہیں پا رہی۔ فساد برپا کرنے والے تسلیم ہی نہیں کرتے کہ وہ غلط کام کر رہے ہیں بلکہ انکا دعوی یہ ہوتا ہے کہ عوام کی بھلائی کا کام کر رہے ہیں۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ، اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَ لٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ O

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ (2:12-14)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اور لوگوں کی طرح تم بھی ایمان لاؤ تو جواب دیتے ہیں کہ کیا ہم ایسا ایمان لائیں جیسا بیوقوف لائے ہیں ، خبردار ہو جاؤ یقیناً یہی بیوقوف ہیں ، لیکن جانتے نہیں۔ اور جب ایمان والوں

سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان والے ہیں اور جب اپنے بڑوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ

ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ان سے صرف مذاق کرتے ہیں۔

یہاں دو باتوں کا ذکر ہوا ہے۔ ایک یہ کہ خود کو عقلمند اور دوسروں کو بے وقوف سمجھنے کی عام روش بے معنی ہے۔ عقل انسانی وحی کی رہنمائی کے بغیر بے اثر ہوتی ہے۔ محض عقل کی بنیاد پر انسان دوسروں کے ساتھ معاملات میں عدل سے کام نہیں لے سکتا اور نہ ہی الحق تک پہنچا جا سکتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کو اپنے رسول بھیجنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ البتہ یہ بات پیش نظر رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بات منوانے کے لیے عقلی دلائل دیے ہیں۔ عقل کے بغیر تو کہیں بھی نہیں پہنچا جا سکتا، لیکن صرف عقل سے حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ انسان کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ دو مخالف نظریاتی گروہوں کو یہ یقین دہانی کراتا رہے کہ وہ ان کے ساتھ ہے تا کہ وہ دونوں سے اس کے تعلقات قائم رہیں۔ لیکن قرآن کریم نے یہ حقیقت بیان کی ہے کہ ایسا کرنا محض خود فریبی ہوتا ہے۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (2:44)

کیا لوگوں کو بھلائیوں کا حکم کرتے ہو؟ اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو باوجودیکہ تم کتاب پڑھتے ہو،

کیا اتنی سی بھی تم میں سمجھ نہیں؟

یہ بھی نہایت اہم حقیقت ہے جسے نظر انداز کرنے سے بہت محنت اور وقت ضائع ہو جاتا ہے۔ کسی بھی مشن کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ اسے لے کر چلنے والے خود اس پر عمل پیرا ہوں۔ ذرا تصور کریں کہ ایک شخص سگریٹ نوشی کے خلاف مہم کی قیادت کر رہا ہو لیکن خود سگریٹ نوشی سے پرہیز نہ کرتا ہو تو اس مہم کی کامیابی کے امکانات کس قدر ہوں گے؟ اس رہنما اصول کی خلاف ورزی کا نتیجہ ہے کہ مزدور ایک سرمایہ دار کو کندھوں پر اٹھائے پھرتے ہیں اس امید پر کہ وہ ان کے دن بدل دے گا۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ O
قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّ لَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذٰلِكَ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ O

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ O قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ
يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا وَ اِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ O قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ
وَ لَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ (2:68-71)

مندرجہ بالا آیات حضرت موسیٰ کی قوم سے متعلق ہیں جن میں انہیں گائے ذبح کرنے کی ہدایت کی گئی تھیں لیکن وہ طرح طرح کے بہانے بنا رہے تھے۔ یہ واقعہ محض معلومات کے لیے قرآن کریم میں نہیں دیا گیا بلکہ یہ تمام انسانوں کی رہنمائی کے لیے ہے کہ احکام پر عمل درآمد نہ کرنے کے لیے بہانے نہیں کرنے چاہیے۔ انسانوں کی اس روش کا تجربہ ہم پاکستانیوں کو بہت ہے۔ یہ اس امر کی عکاسی بھی کرتا ہے کہ ہم کس قدر قرآنی احکام پر عمل پیرا ہیں۔

أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ
وَهُمْ يَعْلَمُونَ ○ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُمْ
بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (2:75-76)

(مسلمانو!) کیا تمہاری خواہش ہے کہ یہ لوگ ایماندار بن جائیں ، حالانکہ ان میں ایسے لوگ بھی جو کلام اللہ کو سن کر ، عقل و علم والے ہوتے ہوئے ، پھر بھی بدل ڈالا کرتے ہیں۔ جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو اپنی ایمانداری ظاہر کرتے ہیں ، اور جب آپس میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کیوں وہ باتیں پہنچاتے ہو جو اللہ تعالی نے تمہیں سکھائی ہیں ، کیا جانتے نہیں کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے پاس تم پر ان کی حجت ہو جائے گی۔

پہلی آیت میں یہ بتایا ہے کہ کچھ لوگ جانتے اور سمجھنے کے باوجود انکار کر دیتے ہیں یا اللہ کے کلام کو بدل ڈالتے ہیں۔ اگر ہم قرآن کریم کو معیار مانتے ہوئے اپنے نظریات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ بہت سی باتوں کو ہم اللہ کے احکام سمجھ کر صحیح تسلیم کر رہے ہوتے ہیں، باوجود اس کے کہ قرآن کریم میں ان کے بارے میں کوئی ذکر نہیں ہوتا یا اس کے برعکس ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں ہماری خواہش کتنی شدید ہی کیوں نہ ہو کہ وہ ایمان لے آئیں وہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ دوسری میں دوغلے پن کی ذہنیت کی عکاسی کی گئی ہے جس کے تحت بڑی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے کہ کوئی ایسی بات نہ ہو جائے جو اپنے خلاف چلی جائے۔ لیکن حقیقت زیادہ دیر تک چھپائی نہیں جا سکتی۔

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَةً قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (2:80)

یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف چند روز جہنم میں رہیں گے ، ان سے کہو کہ کیا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا کوئی پروانہ ہے؟ اگر ہے تو یقیناً اللہ تعالی اپنے وعدے کا خلاف نہیں کرے گا بلکہ تم تو اللہ کے ذمے وہ باتیں لگاتے ہو جنہیں تم نہیں جانتے۔

مذہبی پیشوا یہ تصور کر کے کہ یہ آیات یہودیوں کے بارے میں ہیں بہت بڑی خوش فہمی میں مبتلا رہتے ہیں۔ لیکن اس طرح کے دعوے تو آج مسلمان بھی کر رہے ہیں۔ ان کے لیے بھی اللہ کا یہی سوال ہے کہ کیا اللہ نے کیا مسلمانوں سے ایسا کوئی وعدہ کر رکھا ہے؟ قرآن کریم میں تو ذکر ہے کہ جو آگ میں جائے گا وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ کیا سب مسلمان بھی اللہ کے بارے میں خود ساختہ تصورات قائم کیے نہیں بیٹھے؟

ثُمَّ أَنْتُمْ هَٰؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُونَ فَرِيقًا مِنْكُمْ مِنْ دِيَارِهِمْ تَظَاهَرُونَ عَلَيْهِمْ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَإِنْ يَأْتُوكُمْ أُسَارَىٰ
تُفَادُوهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَٰلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا
خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ (2:85)

لیکن پھر بھی تم نے آپس میں قتل کیا اور آپس کے ایک فرقے کو جلا وطن بھی کیا اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ان کے خلاف دوسرے کی طرفداری کی ، ہاں جب وہ قیدی ہو کر تمہارے پاس آئے تم تم نے ان کے فدیے دیے لیکن ان نکالنا جو تم پر حرام تھا۔ کیا بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ تم میں

سے جو بھی ایسا کرے ، اس کی سزا اس کے سوا کیا ہو کہ دنیا میں رسوائی اور قیامت کے دن سخت عذاب کی مار ، اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ۔

اس آیت میں ایک ایسی ذہنیت کے بارے میں ذکر ہے جس میں غلط لوگ اپنے کرتوں کی تلافی کے لیے وہ کچھ کرتے ہیں جو انہیں مذہبی پیشوا بتاتے ہیں ۔ اللہ تعالی نے ایک نظام دیا ہے جس میں سیاست، معیشت اور معاشرت سب شامل ہے لیکن مذہبی پیشواؤں نے اسے مذہب میں تبدیل کردیا ہے ۔ مذہب کو اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ کوئی شخص کن مسائل سے دوچار ہے ۔ سرمایہ دار کے لیے مذہب بہت مناسب ہے جو اسے مختلف ذرائع سے بلا روک ٹوک دولت اکٹھی کرنے کی اجازت دیتا ہے ۔ اور پھر غریبوں کو خیرات دیتا ہے تاکہ ثواب کمائے ۔ یعنی ہر انسان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اچھی زندگی گزارے ۔ غریب لوگوں کا ہونا لازمی ہے تاکہ امیر لوگ ثواب کی خاطر انہیں بھیک دیں ۔ یہ بعینہٖ وہی ذہنیت ہے جس کا ذکر آیت میں آیا ہے ۔ کہ یہ لوگ پہلے کچھ افراد کو ظلم وستم کرکے ان کے گھروں سے نکال دیتے ہیں اور بعد میں اپنے ثواب کی خاطر انہیں چھڑا کرلاتے ہیں ۔

یہاں ایک اور اہم بات کا ذکر آیا ہے کہ تم قرآن کریم کے کچھ حصے پر عمل کرتے اور کچھ کا انکار کرتے ہو ۔ مثال کے طور پر وہ آیات جن میں تکریم انسانیت اور ان کو اپنے مال سے بطور حق (خیرات نہیں) دینے کا حکم ہے اور اس طرح کی بہت سی آیات کو جھٹلاتے ہیں ۔ ایسا کرنے والوں کو دنیا میں ذلت اور آخرت میں شدید عذاب ہوگا ۔ مسلمان دنیا میں جس طرح ذلیل ہو رہے ہیں اس کی وجہ صاف ظاہر ہے ۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ O وَ لَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ O وَ لَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ وَ مَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ (2:94-96)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر آخرت کا گھر صرف تمہارے ہی لئے ہے ، اللہ کے نزدیک اور کسی کے لئے نہیں تو آؤ اپنی سچائی کے ثبوت میں موت طلب کرو ۔ لیکن اپنی کرتوتوں کو دیکھتے ہوئے کبھی بھی موت نہیں مانگیں گے ۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے ۔ بلکہ سب سے زیادہ دنیا کی زندگی کا حریص اے نبی آپ انہیں کو پائیں گے ۔ یہ حرص زندگی میں مشرکوں سے بھی زیادہ ہیں ۔ ان میں سے تو ہر شخص ایک ایک ہزار سال کی عمر چاہتا ہے ، گو یہ عمر دیا جانا بھی انہیں عذاب سے نہیں چھڑا سکتا ، اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کو بخوبی دیکھ رہا ہے ۔

بعض لوگ بزعم خویش خود کو جنتی تصور کیے بیٹھے ہوتے ہیں ان کی خود فریبی کا پردہ اس بات سے چاک ہو جائے گا کہ وہ کس قدر دنیاوی زندگی کی حرص میں مبتلا ہیں اور اس کی خاطر ہر جائز ناجائز ذرائع استعمال کرتے ہیں ۔ موت کے تصور سے انہیں خوف آتا ہے حالانکہ اگر کسی کے اعمال بہت اچھے ہوں تو وہ موت سے نہیں ڈرتا کیونکہ وہ زندگی کا اگلا مرحلہ ہے ۔ آج کل آپ کو بے شمار لوگ ایسے ملیں گے ۔ جو ان آیات کی چلتی پھرتی تشریح ہیں ۔

وَ قَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (2:111)

یہ کہتے ہیں کہ جنت میں یہود و نصاریٰ کے سوا اور کوئی نہ جائے گا، یہ صرف ان کی آرزوئیں ہیں، ان سے
کہو کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی دلیل تو پیش کرو۔

جنت کے دعوے دار ہر زمانے میں ہوتے ہیں۔ بات اُس وقت کے لوگوں کی ہو رہی ہے لیکن قرآن کریم میں ابدی ہدایت ہے لہذا اگر یہود ونصاریٰ اس طرح کا دعوی کرتے تھے تو آج بھی جتنے مذہبی گروہ پیدا ہو رہے ہیں ان پر بھی اس آیت کا اطلاق ہوگا۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ بغیر دلیل کے کوئی بھی دعویٰ بے معنی ہوتا ہے۔

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّ قَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ هُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ قَالَ
الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (2:113)

یہود کہتے ہیں کہ نصرانی حق پر نہیں اور نصرانی کہتے ہیں کہ یہودی حق پر نہیں، حالانکہ یہ سب لوگ
تورات پڑھتے ہیں۔ اسی طرح ان ہی جیسی بات بے علم بھی کہتے ہیں۔ قیامت کے دن اللہ ان کے اس اختلاف کا
فیصلہ ان کے درمیان کردے گا۔

یہاں پھر بات اگر چہ یہود ونصاری کی ہو رہی ہے لیکن اس کا اطلاق ہر اس گروہ پر ہوگا جو حق پر ہونے کا دعویدار ہے۔ آج پاکستان میں اسلام کے نام پر بہت سے فرقے وجود میں آچکے ہیں جن میں سے ہر ایک اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہے۔ لیکن ان کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ قیامت کے روز تو وہ خود کرے گا لیکن اسلامی مملکت کے لیے اس نے بتا دیا ہے کہ " الحق " صرف قرآن کریم ہی ہے۔ لہذا جس کا عمل قرآن کریم کے مطابق ہوگا وہی الحق پر ہوگا باقی سب باطل ہوں گے۔

وَ لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ
الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ (2:120)

آپ سے یہود و نصاریٰ ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے تابع نہ بن جائیں،
آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے اور اگر آپ نے باوجود اپنے پاس علم آجانے کے، پھر ان کی
خواہشوں کی پیروی کی تو اللہ کے پاس آپ کا نہ تو کوئی ولی ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔

یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ اگر یہود ونصاری کا ذکر ان آیات میں آیا ہے تو یہ سمجھنا صحیح نہیں ہوگا کہ ان کا اطلاق دوسرے لوگوں پر نہیں ہوگا۔ آج جتنے مذاہب یا اسلام کے نام پر فرقے ہیں وہ بھی اسی طرح کی ذہنیت رکھتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ہدایت بالکل واضح ہے کہ اتباع صرف

اللہ تعالی کے قوانین کا ہونا چاہیے۔ یہاں یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ نبی کریم ﷺ کا عمل قرآن کے مطابق تھا۔ لہذا ان سے منسوب کوئی ایسی روایت صحیح نہیں ہو سکتی جس میں آپ کا عمل قرآن کریم کے برعکس بتایا گیا ہو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ

اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ (2:159)

جو لوگ ہماری اتاری ہوئی دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم اسے اپنی کتاب میں لوگوں کے لئے بیان کر چکے ہیں ، ان لوگوں پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔

یہاں ایک جرم کی نشاندہی کی گئی ہے جس کا ارتکاب عام ہے۔ وہ یہ کہ اللہ کی ہدایت جو اس کی کتاب میں ہے اسے چھپایا جائے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ مندرجہ بالا آیت کا ذکر بھی کسی منبر سے نہیں ہوتا۔ اللہ کی ہدایت کو چھپانے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ وہ باتیں عام کی جائیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں۔

لعنت کا صحیح مفہوم ہے محروم ہو جانا۔ قرآن کریم میں انسانوں کی بھلائی اور منفعت کی باتیں ہیں جن سے آگاہ نہ ہونا یا جانتے ہوئے نظر انداز کرنے سے انسان ان کی افادیت سے محروم ہو جاتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ

ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ (2:165)

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہیے اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں۔ کاش کہ مشرک لوگ جانتے جب کہ اللہ کے عذاب کو دیکھ کر کہ تمام طاقت اللہ ہی کو ہے اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔

اس سوچ کا مظاہرہ ہمارے معاشرے میں بہت ہی عام ہے۔ مشکل کشا، گنج بخش وغیرہ کے القاب سے شخصیات سے عقیدت کے نام سے معاشرے میں بہت سی ایسی رسوم رائج ہو چکی ہیں جن کا اسلام سے دور تک تعلق نہیں۔ اللہ تعالی نے انبیاء کرام کا ذکر کرنے کے بعد ہم سے کہا ہے کہ وہ ایک امت تھی جو گزر گئی۔ ان کے اعمال ان کے ساتھ اور تمہارے اعمال تمہارے ساتھ۔ تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے۔ جب انبیاء کرام کے بارے میں یہ بات کہی گئی ہے تو پھر دوسری شخصیات کا ذکر کیا وہ تو انبیاء کرام سے بڑھ کر نہیں ہو سکتیں۔ اس آیات کی خلاف ورزی کے نتیجہ میں بے شمار خاندان پیروں اور خانقاہوں کی وجہ سے تباہ ہو چکے ہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ (2:170)

اور ان سے جب بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب کی تابعداری کرو تو جواب دیتے ہیں
کہ ہم تو اس طریقے کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ، گو ان کے باپ دادے
بے عقل اور گم کردہ راہ ہوں۔

یہ ایک بہت ہی بڑی نفسیاتی روکاوٹ ہے جو کسی بات کو منوانے کی راہ میں حائل ہوتی ہے کہ انسان اس روش کے خلاف نہیں جانا چاہتا جو معاشرے میں رائج ہو یا جسے اس نے اپنے باپ دادا سے سیکھا ہو۔ اسی کمزوری کو بنیاد بنا کر مذہبی پیشوا لوگوں کے جذبات کو استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ فلاں شخص کیا آپ کے بزرگوں سے زیادہ قرآن سمجھتا ہے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات بھی کہی ہے کہ تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ گزرے ہوئے لوگوں نے کیا کیا۔ہم سے صرف ہمارے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ الْکِتٰبِ وَ یَشْتَرُوْنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلاً اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِھِمْ اِلَّا النَّارَ وَ لَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ
یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَ لَا یُزَکِّیْھِمْ وَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (2:174)

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب چھپاتے ہیں اور اسے تھوڑی سی قیمت پر بیچتے ہیں ،
یقین مانو کہ یہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں ، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے بات بھی نہ کرے گا، نہ انہیں
پاک کرے گا بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

یہاں پھر اللہ کی کتاب میں آئی ہوئی باتوں کو چھپانے کے بارے میں ذکر آیا ہے۔اس کے ساتھ ان آیات کو سستے داموں بیچنے کا ذکر آیا ہے۔ اس میں ہمارے مذہبی پیشواؤں کی صحیح طور پر عکاسی کی گئی ہے جو مذہب کو ذریعہ معاش بنائے ہوئے ہیں، بلکہ اب تو وہ چندے کے پیسوں سے پُرتعیش زندگی بسر کر رہے ہیں۔وہ قرآن کریم کے بہت سے عظیم حقائق کو منظر عام پر نہیں لاتے اس لئے کہ وہ ان عطیات سے محروم ہو سکتے ہیں جو وہ غیر قرآنی عقائد کی وجہ سے حاصل کرتے ہیں، مثال کے طور پر مردوں کے لئے فاتحہ خوانی، ختم وغیرہ۔ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب مقرر کیا ہے۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یُّعْجِبُکَ قَوْلُہٗ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ یُشْھِدُ اللّٰہَ عَلٰی مَا فِیْ قَلْبِہٖ وَ ھُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ O وَ اِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ
لِیُفْسِدَ فِیْھَا وَ یُھْلِکَ الْحَرْثَ وَ النَّسْلَ وَ اللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ O وَ اِذَا قِیْلَ لَہُ اتَّقِ اللّٰہَ اَخَذَتْہُ الْعِزَّۃُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُہٗ جَھَنَّمُ
وَ لَبِئْسَ الْمِھَادُ (2:204-206)

بعض لوگوں کی دنیاوی غرض کی باتیں آپ کو خوش کر دیتی ہیں اور اپنے دل کی باتوں پر اللہ کو گواہ کرتا ہے ، حالانکہ دراصل وہ زبردست جھگڑالو ہے۔ جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے کی اور کھیتی اور نسل کی بربادی کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ فساد کو ناپسند کرتا ہے۔ اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو تکبر اور تعصب اسے گناہ پر آمادہ کر دیتا ہے ، ایسے کے لئے بس جہنم ہی ہے اور یقیناً وہ بد ترین جگہ ہے۔

یہاں پر انسان کی ایک اور تصویر دکھائی گئی ہے جس میں کچھ لوگ بظاہر بڑے پارسا اور نیکوکار دکھائی دیتے ہیں۔ اپنی خوشنما باتوں سے انسانوں کو گرویدہ بنا لیتے ہیں اور بات بات پر اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں لیکن وہ ایسے کام کرتے ہیں جن سے زمین پر فساد برپا ہوتا ہے اور ذرائع پیداوار اور انسانی جانیں تباہ ہوتی ہیں۔ تکبر اور انا پرستی کی وجہ سے وہ غلط کاریوں میں مبتلا رہتے ہیں اور کسی کی نصیحت پر کان نہیں دھرتے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَ الْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ وَ الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْاَنْعَامِ وَ الْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ (3:-14)

مرغوب چیزوں کی محبت لوگوں کے لئے مزین کردی گئی ہے ، جیسے عورتیں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے جمع کئے خزانے اور نشاندار گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی ، یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور لوٹنے کا اچھا ٹھکانا تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔

اس آیت میں لوگوں کی کچھ خواہشات کے بارے میں بتایا گیا ہے جنہیں مقصودِ زندگی بنا لیا جاتا ہے اور ان کے لیے قرآنی اقدار کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ ہم اگر اپنے ملک میں رہنے والوں کا حال دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ کس طرح لوگ حلال و حرام کی تمیز کے بغیر زندگی کی آسائشیں حاصل کرنے میں لگے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ رہبانیت اختیار کر لیں لیکن یہ بھی ٹھیک نہیں کہ ان سب کے حصول کی خاطر اللہ تعالیٰ کے احکامات کی خلاف ورزی کی جائے۔ مقصد یہ ہے کہ حال کی خوشحالی اگر مستقبل کی بدحالی کا باعث ہو تو ایسی وقتی اور عارضی آسائشوں کا کیا فائدہ۔ آج کل اگر اس آیت کی چلتی پھرتی تصویریں دیکھنی ہوں تو ان لوگوں کو دیکھیں جن کے گھروں میں بہت سا سامان اور نئی گاڑی، سب قسطوں پر ہیں اور جب بنک والے تقاضہ کرنا شروع کر دیتے ہیں تو ان کا حال کیا ہوتا ہے۔

وَ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَ اكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ O وَ لَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (3:72-73)

اور اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا کہ جو کچھ ایمان والوں پر اتارا گیا ہے اس پر دن چڑھے تو ایمان لاؤ اور شام کے وقت کافر بن جاؤ تاکہ یہ لوگ بھی پلٹ جائیں۔ اور سوائے تمہارے دین پر چلنے والوں کے اور کسی کا یقین نہ کرو۔ آپ کہہ دیجئے کہ بے شک ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے۔ (اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس بات کا بھی یقین نہ کرو) کہ کوئی اس جیسا دیا جائے جیسا تم دیئے گئے ہو ، یا یہ کہ یہ تم سے تمہارے رب کے پاس جھگڑا کریں گے ، آپ کہہ دیجئے کہ فضل تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے ، وہ جسے چاہے اسے دے ، اللہ تعالیٰ وسعت والا اور جاننے والا ہے۔

یہودیوں کی اس روش کا اطلاق آج کل ہمارے ہاں پائے جانے والے مختلف فرقوں پر ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر کوئی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ راہ

راست پر ہے اور دوسرے سب غلط ہیں۔ وہ اپنے پیروکاروں کو بھی ہدایت کرتے ہیں کہ صرف اپنے مسلک کو صحیح جانو۔ بظاہر یہ دوسروں کی ہاں میں ہاں بھی ملا دیتے ہیں لیکن دل سے اسے تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تو صحیح اور غلط کام کا معیار اپنی ہدایت کو قرار دیا ہے جو صرف قرآن کریم میں ہے۔

وَ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَ يَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ (3:75)

بعض اہل کتاب تو ایسے ہیں کہ اگر انہیں تو خزانے کا امین بنا دے تو بھی وہ تجھے واپس کر دیں اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر تو انہیں ایک دینار بھی امانت دے تو تجھے ادا نہ کریں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ تو اس کے سر پر ہی کھڑا رہے یہ اس لئے کہ انہوں نے کہہ رکھا ہے ہم پر ان جاہلوں کے حق کا کوئی گناہ نہیں، یہ لوگ باوجود جاننے کے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کہتے ہیں۔

یہ اہل کتاب کی دیانت داری کے بارے میں ہے۔ کیا آج مسلمانوں کی حالت اس سے بھی خراب نہیں ہے؟ ہم سب ایک دوسرے پر کس قدر اعتماد کرتے ہیں؟ دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ یہ دوہرا معیار اختیار کرتے ہیں۔ اور ایک نہایت اہم بات کا تذکرہ بھی ہے کہ اللہ کے بارے میں جانتے ہوئے بھی جھوٹی باتیں کہتے ہیں۔ کیا ہم نے کبھی غور کیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے کتنی باتیں منسوب کرتے ہیں جو قرآن کریم میں نہیں ہیں۔

وَ اِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَ يَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ مَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَ
يَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ (3:78)

یقیناً ان میں ایسا گروہ بھی ہے جو کتاب پڑھتے ہوئے اپنی زبان مروڑتا ہے تاکہ تم اسے کتاب ہی کی عبارت خیال کرو حالانکہ دراصل وہ کتاب میں سے نہیں، اور یہ کہتے بھی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے حالانکہ دراصل وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں، وہ تو دانستہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں۔

کیا یہی سب کچھ ہمارے مذہبی پیشوا نہیں کرتے؟ کتنی ہی باتیں اسلام کے نام پر پیش کی جاتی ہیں لیکن ان کا ذکر قرآن کریم میں نہیں ملتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے سوا کسی کی بات کو الحق تسلیم نہیں کرتا اور اللہ کی بات تو صرف قرآن کریم ہی سے ملتی ہے۔ یہاں پھر وہی بات کہی گئی ہے کہ تم جاننے کے باوجود اللہ کے بارے میں جھوٹ بولتے ہو۔ یہ بات ذہن نشین کرنے والی ہے کہ نبی کریم ﷺ پر قرآن کریم نازل ہوا ہے اور ان کا عمل بھی اس کے مطابق تھا۔ لہذا ان سے کوئی ایسی بات منسوب کرنا صحیح نہیں ہوگا جو قرآن کریم کے خلاف ہو۔ یہ سمجھنا اس لیے ضروری ہے کہ حضور ﷺ کے نام کا سہارا لے کر بھی بہت سی غیر قرآنی باتیں پھیلائی گئی ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۚ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ وَ مَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ

اکْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ O هٰاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَ لَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ وَ اِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا

وَ اِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (3:118-119)

اے ایمان والو! تم اپنا دلی دوست ایمان والوں کے سوا اور کسی کو نہ بناؤ۔ تمہیں دیکھتے دوسرے لوگ تمہاری تباہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے، وہ تو چاہتے ہیں کہ تم دکھ میں پڑو، ان کی عداوت تو خود ان کی زبان سے بھی ظاہر ہو چکی ہے اور جو ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ بہت زیادہ ہے، ہم نے تمہارے لیے آیتیں بیان کر دیں اگر عقلمند ہو۔ ہاں تم تو انہیں چاہتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے، تم پوری کتاب کو مانتے ہو، یہ تمہارے سامنے تو اپنے ایمان کا اقرار کرتے ہیں لیکن تنہائی میں مارے غصہ کے انگلیاں چباتے ہیں، کہہ دو کہ اپنے غصہ ہی میں مر جاؤ، اللہ تعالیٰ دلوں کے راز کو بخوبی جانتا ہے۔

ان دو آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ دوستی اور رازداری کے تعلقات ان لوگوں سے قائم نہیں ہو سکتے جن سے ایمان کا رشتہ نہ ہو۔ کیونکہ یہ یکطرفہ معاملہ نہیں ہے۔ جو جذبات ایک شخص کے ہیں وہی جذبات دوسرا شخص نہ رکھتا ہو تو محبت اور دوستی کی بنیاد رکھی ہی نہیں جا سکتی۔ یہ منافقانہ طرزِ عمل ہوتا ہے کہ بظاہر دوستی کا مظاہرہ کیا جائے لیکن دل میں نفرت ہو۔ دوسری آیت میں ایک اہم نفسیاتی کیفیت کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ بغض عداوت اور غصہ دوسروں کی نہیں بلکہ اپنی ذات ہی کو نقصان پہنچاتا ہے۔

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَ اِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا

لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ (3:120)

تمہیں اگر بھلائی ملے تو یہ ناخوش ہوتے ہیں۔ ہاں اگر برائی پہنچے تو خوش ہوتے ہیں۔ تم اگر صبر کرو اور پرہیزگاری کرو تو ان کا مکر تمہیں کچھ نقصان نہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کا احاطہ کر رکھا ہے۔

اس ذہنیت کا مشاہدہ بآسانی ہمارے معاشرے میں کیا جا سکتا ہے۔ یہ جملہ تو آپ نے اکثر سنا ہو گا کہ "فلاں کے ساتھ ایسا ہوا، اچھا ہی ہوا"۔ کسی کو مصیبت میں مبتلا ہونے پر آپ نے قہقہے لگتے بھی سنے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ روش غیر مسلموں کی بتائی ہے۔ حیرانگی یہ ہے کہ خود کو مسلم کہلانے والوں میں یہ روش کیوں ہے؟

وَ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا وَ قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا تَّبَعْنٰكُمْ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ

مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ O اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَ قَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا

مَا قُتِلُوْا قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (3:167-8)

اور منافقوں کو بھی معلوم کر لے جن سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جہاد کرو، یا کافروں کو ہٹاؤ، تو وہ کہنے لگے کہ اگر ہم لڑائی جانتے ہوتے تو ضرور ساتھ دیتے، وہ اس دن بہ نسبت ایمان کے کفر سے بہت قریب تھے، اپنے منہ سے وہ باتیں بناتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جو خود بھی بیٹھے رہے اور اپنے بھائیوں کی بابت کہا کہ اگر وہ بھی ہماری بات مان لیتے تو قتل نہ کئے جاتے ۔کہہ دیجئے! کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی جانوں سے موت کو ہٹادو ۔

ان دو آیتوں میں منافقوں کی پہچان بتائی گئی ہے کہ وہ جنگ کے موقع پر بہانے کر کے پیچھے رہ جاتے ہیں ۔ انکی زبان پر کچھ ہوتا ہے اور دل میں کچھ اور۔ اس کے علاوہ وہ دوسروں کو بھی جنگ میں شریک ہونے سے روکتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جن لوگوں نے اپنی جان دی وہ ناحق تھی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اگلی ہی آیت میں یہ کہا ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں جان دیتے ہیں وہ مرتے نہیں بلکہ وہ اللہ کے ہاں سے رزق پا رہے ہوتے ہیں اگرچہ ہمیں اس کا شعور نہیں ہوتا ۔

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ
وَ اشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ (3:187)

اور اللہ تعالیٰ نے جب اہل کتاب سے عہد لیا کہ تم اسے سب لوگوں سے ضرور بیان کرو گے اور اسے چھپاؤ گے نہیں ، تو پھر بھی ان لوگوں نے اس عہد کو اپنی پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور اسے بہت کم قیمت پر بیچ ڈالا۔ ان کا یہ بیوپار بہت برا ہے۔

یہاں پھر اللہ کی ہدایات کو چھپانے کے بارے میں ذکر آیا ہے۔ جو روش اس وقت کے اہل کتاب کی تھی وہی آج ہمارے مذہبی پیشواؤں نے اختیار کر رکھی ہے۔ اللہ کی ہدایت کو چھپانا اور مذہب کو ذریعہ معاش بنانا۔ اللہ کا قانون سب کے لئے یکساں ہے، جو بھی اس کی مخالفت کرے گا اس کا انجام بھی دوسروں سے مختلف نہ ہوگا۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا وَ اسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّ رَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ
وَ طَعْنًا فِي الدِّيْنِ وَ لَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَ اسْمَعْ وَ انْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اَقْوَمَ وَ لٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ
بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا (4:46)

بعض یہود کلمات کو ان کی ٹھیک جگہ سے ہیر پھیر کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور نافرمانی کی اور سن اس کے بغیر کہ تو سنا جائے اور ہماری رعایت کر! اپنی زبان کو پیچ دیتے ہیں اور دین میں طعنہ دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے فرمانبرداری کی اور آپ سنئے اور ہمیں دیکھئے تو یہ ان کے لئے بہت بہتر اور نہایت ہی مناسب تھا ، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے انہیں لعنت کی ہے۔ پس یہ بہت ہی کم ایمان لاتے ہیں۔

عجیب بات ہے کہ جو حرکتیں یہودی کیا کرتے تھے آج کل وہ مسلمان کہلانے والوں نے اختیار کر رکھی ہیں۔ فرقوں میں بٹے ہوئے لوگ کسی دوسرے کی بات سننے کو تیار نہیں ہوتے صرف اپنی بات منوانا چاہتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جو شخص صرف قرآن کریم کی بات کرے اس پر یہ سب مل کر یہی طریقے اس کے خلاف استعمال کرتے ہیں ۔ اللہ کی بات بھی (یعنی قرآن کریم) سننے کو تیار نہیں ہوتے ۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ وَ يَقُوْلُوْنَ
لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا (4:51)

کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ ملا ہے؟ جو بُت کا اور باطل معبود کا اعتقاد رکھتے ہیں اور کافروں کے حق میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں سے زیادہ راہ راست پر ہیں۔

یہ بھی اپنے لوگوں کی کیفیت لگتی ہے کہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ کتاب کو چھوڑ کر طرح طرح کی رسومات اور عقائد میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اور ان لوگوں کو برا کہتے ہیں جو صرف اللہ کی کتاب کو معیار بنانے پر زور دیتے ہیں۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ
أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ○ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ
رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا ○ فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ
بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا (4:60-62)

کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا؟ جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ جو کچھ آپ پر اور جو کچھ آپ سے پہلے اتارا گیا ہے اس پر ان کا ایمان ہے، لیکن وہ اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ شیطان کا انکار کریں، شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ انہیں بہکا کر دور ڈال دے۔ ان سے جب کبھی کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کلام کی اور رسول ﷺ کی طرف آؤ تو آپ دیکھ لیں گے کہ یہ منافق آپ سے منہ پھیر کر رکے جاتے ہیں۔ پھر کیا بات ہے کہ جب ان پر ان کے کرتوت کے باعث کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو پھر یہ آپ کے پاس آکر اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہمارا ارادہ تو صرف بھلائی اور میل ملاپ ہی کا تھا۔

یہاں ایک اور انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ زبانی ایمان لانا بے معنی ہوتا ہے۔ اگر فیصلے اللہ کی کتاب کے مطابق نہیں ہوتے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شیطان کا اتباع کیا جا رہا ہے جو گمراہی کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ اللہ کی راہ (جو صرف قرآن کریم میں ہے) میں رکاوٹ ڈالنے والے منافق بھی ہوتے ہیں۔ اور تیسری آیت میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ انسان جن مصائب اور مشکلات سے دوچار ہوتا ہے ان کا سبب اس کے اپنے اعمال ہوتے ہیں۔ (جو کہ اللہ کے ہدایت کے برعکس ہوتے ہیں) لہذا اس طرح کے واقعات کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ کو دینا صحیح نہیں ہوتا۔

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ وَاللَّهُ
يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا (4::81)

یہ کہتے تو ہیں کہ اطاعت ہے، پھر جب آپ کے پاس سے اٹھ کر باہر نکلتے ہیں تو ان میں کی ایک جماعت، جو بات آپ نے یا اس نے کہی ہے اس کے خلاف راتوں کو مشورے کرتی ہے، ان کی راتوں کی بات چیت اللہ لکھ رہا ہے، تو آپ ان سے منہ پھیر لیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں، اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے۔

انسان کے دوغلے پن کی بہت سی صورتیں ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں مختلف مقامات پر آیا ہے۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ جب کوئی شخص کسی

دوسرے شخص کے سامنے کسی بات کا محض اقرار کرتا ہے لیکن وہ دل سے اسے نہیں مان رہا ہوتا تو وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتا ہے کہ اس کی حقیقت ظاہر نہیں ہوگی۔ حالانکہ اللہ کے قانون کے دائرے سے کوئی شے باہر نہیں ہے۔ ایسے لوگ بھروسے کے قابل نہیں ہوتے۔ صرف اللہ کے قانون پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ اور جو شخص اللہ کے قانون کا اتباع کر رہا ہو وہ بھی قابل بھروسہ ہو جاتا ہے۔

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا (4:89)

ان کی تو چاہت ہے کہ جس طرح کے کافر وہ ہیں تم بھی ان کی طرح کفر کرنے لگو اور پھر سب یکساں ہو جاؤ، پس جب تک یہ اسلام کی خاطر وطن نہ چھوڑیں ان میں سے کسی کو حقیقی دوست نہ بناؤ، پھر اگر یہ منہ پھیر لیں تو انہیں پکڑو اور قتل کرو جہاں بھی یہ ہاتھ لگ جائیں، خبردار ان میں سے کسی کو اپنا رفیق اور مددگار نہ سمجھ بیٹھنا۔

جو لوگ قرآن کریم کی باتوں کا انکار کرتے ہیں ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کو بھی اپنے عقائد پر لے آئیں بجائے اس کے کہ وہ خود قرآن کریم کا اتباع کریں۔ یہ انسانی روش ہے کہ وہ خود تبدیل ہونے کی بجائے دوسروں کو تبدیل کرنا چاہتا ہے۔ دوسری بات اس آیت میں یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو دوست نہیں بنانا چاہیے جب تک کہ وہ اللہ کی راہ میں حائل روکاوٹوں کو چھوڑ نہ دیں۔ قتل کرنے کی بات قرآن کریم کی دوسری آیات سے مشروط ہے۔ صرف اس آیت کو لے کر قتل عام کا جواز نہیں نکالا جا سکتا نہ ہی یہ انفرادی طور پر کیا جا سکتا ہے بلکہ یہ کام اسلامی حکومت کا ہے۔

يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ
وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا (4:108)

وہ لوگوں سے تو چھپ جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپ سکتے، وہ راتوں کے وقت جب کہ اللہ کی ناپسندیدہ باتوں کے خفیہ مشورے کرتے ہیں اس وقت بھی اللہ ان کے پاس ہوتا ہے، ان کے تمام اعمال کو وہ گھیرے ہوئے ہے۔

اکثر لوگوں کا اس بات پر پختہ ایمان نہیں ہوتا کہ انہیں اپنے اعمال کے نتائج بھگتنے ہوں گے ورنہ وہ کوئی غلط کام کرنے سے پہلے سو بار سوچتے یا پھر ان کے ملاؤں نے انہیں غلط فہمی میں مبتلا کر رکھا ہے کہ اللہ انہیں معاف کر دے گا۔ ان کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ ان کی غلط کاریاں دوسروں کو معلوم نہ ہو سکیں لیکن اللہ تعالیٰ کی واضح ہدایت موجود ہے کہ وہ ہر عمل کے بارے میں باخبر ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا بدلہ ضرور ملے گا۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖۤ
اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا (4:140)

اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں، (ورنہ) تم بھی اس وقت انہی جیسے ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور سب منافقوں کو جہنم میں جمع

کرنے والا ہے۔

جولوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرسکتے ہیں وہ کسی دوسرے کی بات کیوں مانیں گے۔ لہذا ان کے ساتھ کسی قسم کی بات کرنا یا ان کی محفل میں بیٹھنا صحیح نہیں ہے۔ یعنی یہاں یہ اصول بھی آ گیا کہ آدمی ان لوگوں سے بھی پہچانا جاتا جن کے ساتھ وہ اٹھتا بیٹھتا ہے۔

مُّذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذَٰلِكَ لَآ إِلَىٰ هَٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلَىٰ هَٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَن يُضْلِلِ ٱللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُۥ سَبِيلًا (4:142)

وہ درمیان میں ہی معلق ڈگمگا رہے ہیں، نہ پورے ان کی طرف نہ صحیح طور پر ان کی طرف اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈال دے تو تو اس کے لئے کوئی راہ نہ پائے گا۔

یہ منافقوں کی ذہنی کیفیت بتائی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ تذبذب کی حالت میں رہتے ہیں۔ ایمان لانے والے اور انکار کرنے والے تو اپنے اپنے عقائد میں بالکل واضح ہوتے ہیں۔ لیکن جہاں کبھی انکار اور کبھی اقرار کی بات ہو وہاں انسان کی اپنی حالت بھی عجیب ہوتی ہے۔ اسے ہر موقع پر دیکھنا پڑتا ہے کہ یہاں کیا بات کرنی ہے۔ ان کیا ایسی کیفیت کی وجہ سے ایسے لوگوں پر اعتبار اُٹھ جاتا ہے۔ آج لوگوں کے مابین کتنا اعتماد ہے اس کا اندازہ آپ خود کرلیں۔

وَقَالَتِ ٱلْيَهُودُ وَٱلنَّصَٰرَىٰ نَحْنُ أَبْنَٰٓؤُا۟ ٱللَّهِ وَأَحِبَّٰٓؤُهُۥ ۚ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُم بِذُنُوبِكُم ۖ بَلْ أَنتُم بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۚ يَغْفِرُ لِمَن يَشَآءُ وَيُعَذِّبُ
مَن يَشَآءُ ۚ وَلِلَّهِ مُلْكُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ وَإِلَيْهِ ٱلْمَصِيرُ (5:18)

یہود ونصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ پھر تمہیں تمہارے گناہوں کے باعث اللہ کیوں سزا دیتا ہے؟ نہیں بلکہ تم بھی اس کی مخلوق میں سے ایک انسان ہو وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے عذاب کرتا ہے، زمین وآسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

مسلمان اپنے آپ کو اللہ کا بیٹا تو نہیں کہتے لیکن اللہ کے محبوب ہونے کے دعویدار ضرور ہیں۔ یہی سوال ان سے بھی ہوگا کہ وہ پھر عذاب کی سی کیفیت سے کیوں گزر رہے ہیں؟ دنیا بھر میں بدنام کیوں ہیں؟ خوف اور بھوک کے عذاب میں کیوں مبتلا ہیں؟ اللہ کے قانون کے احاطے سے کوئی بھی باہر نہیں ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا۟ إِلَىٰ مَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ وَإِلَى ٱلرَّسُولِ قَالُوا۟ حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ ءَابَآءَنَآ ۚ أَوَلَوْ كَانَ ءَابَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ
شَيْـًٔا وَلَا يَهْتَدُونَ (5:104)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں ان کی طرف اور رسول کی طرف رجوع کرو تو کہتے ہیں کہ ہم کو وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا، کیا اگرچہ ان کے بڑے نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہوں۔

اگر آج ہم اپنے معاشرے پر نظر ڈالیں تو صاف نظر آئے گا کہ ہم اللہ کے نازل کردہ پیغام کا اتباع کس حد تک کر رہے ہیں اور ہمارے آباء
واجداد کے مسالک وعقائد کا ہماری زندگی میں عمل دخل کتنا ہے۔قرآن کریم کے احکامات سے راہ فرار اختیار کرنے کے لئے یہی بہانہ بنایا جاتا
ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی بات صحیح ہے جو اس نے اپنی کتاب میں بتا دی ہے۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْکَ وَ جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا وَ اِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا
حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْکَ يُجَادِلُوْنَکَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ (6:25)

اور ان میں بعض ایسے ہیں کہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر پردہ ڈال رکھا ہے اس سے کہ وہ اس
کو سمجھیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ دے رکھی ہے اور اگر وہ لوگ تمام دلائل کو دیکھ لیں تو بھی ان پر کبھی ایمان نہ
لائیں یہاں تک کہ جب یہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے خواہ مخواہ جھگڑتے ہیں ، یہ لوگ جو کافر ہیں یوں
کہتے ہیں کہ یہ تو کچھ بھی نہیں صرف بے سند باتیں ہیں جو پہلوں سے چلی آرہی ہیں۔

ہمارے لیے غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ہم جس طرح قرآن کریم کو بغیر سوچے سمجھے پڑھتے ہیں وہ کس زمرے میں آتا ہے؟ قرآن کریم کے
احکامات کے سامنے ہمارے کسی قسم کے عقائد کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔قرآن کریم میں کہیں نہیں لکھا کہ اسے محض پڑھنے (وہ بھی سمجھے بغیر)
ثواب ہوتا ہے۔ ایسے غیر قرآنی نظریات کو نبی کریم ﷺ سے بھی منسوب کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُکَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَکَ وَ لٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ (6:33)

ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کو ان کے اقوال مغموم کرتے ہیں ، سو یہ لوگ آپ کو جھوٹا نہیں کہتے لیکن یہ ظالم تو اللہ
کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

آج بھی یہ حال ہے کہ جب قرآن کریم کی آیات لوگوں کو بتائی جاتی ہیں تو وہ طرح طرح کی باتیں بناتے ہیں۔کیونکہ ان آیات سے لوگوں
کے مروجہ عقائد پر زد پڑتی ہے۔ایسے میں اگر قرآن کریم پیش کرنے والوں کو دکھ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی ہمت افزائی کرتا ہے کہ یہ میری
آیات کی خلاف ورزی کر رہے ہیں ان کے لیے میں ہی کافی ہوں۔

وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَ هٰذَا لِشُرَكَآئِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ
اِلَى اللّٰهِ وَ مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (6:136)

اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور مواشی پیدا کیے ہیں ان لوگوں نے ان میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کیا اور بزعم خود
کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے ،پھر جو چیز ان کے معبودوں کی ہوتی ہے وہ تو اللہ کی طرف
نہیں پہنچتی اور جو چیز اللہ کی ہوتی ہے وہ ان کے معبودوں کی طرف پہنچ جاتی ہے ، کیا برا فیصلہ وہ کرتے ہیں۔

ذرا ہم بھی ان خیراتی کاموں کا جائزہ لیں جو ہمارے ہاں رائج ہیں۔ جو کچھ اللہ کے نام پر جمع ہوتا ہے وہ کہاں جاتا ہے۔ چاہے خانقاہوں پر چڑھائے جانے والے چڑھاوے ہوں یا صدقے کی بکری ہو یا عقیقے کا بکرا ہو ان سب کا زیادہ تر حصہ مخصوص مفاد پسند لوگوں تک پہنچتا ہے۔ اللہ کا نام صرف دھوکہ دینے کے لئے لیا جاتا ہے۔

قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ (7:60)

ان کی قوم کے بڑے لوگوں نے کہا کہ ہم تم کو صریح غلطی میں دیکھتے ہیں۔

یہاں سرداروں نے اللہ کا پیغام پیش کرنے والوں کو صریح غلطی میں مبتلا قرار دیا گیا ہے۔ عجب اتفاق ہے کہ آج بھی جب کوئی شخص صرف قرآن کریم کی بات کرے تو اسے بھی اسی طرح کے القاب سے نوازا جاتا ہے۔

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ (7:66)

ان کی قوم میں جو بڑے لوگ کافر تھے انہوں نے کہا ہم تم کو کم عقلی میں دیکھتے ہیں اور ہم بے شک تم کو جھوٹے لوگوں میں سمجھتے ہیں۔

بڑے سرداروں کو عام لوگ بے وقوف ہی نظر آتے ہیں یا جھوٹے لگتے ہیں۔ قرآن کریم کی بات کرنے والوں کو بھی اسی طرح کے الزامات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ صَالِحًا مُرْسَلٌ مِنْ رَبِّهِ قَالُوا إِنَّا
بِمَا أُرْسِلَ بِهِ مُؤْمِنُونَ ☆ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا بِالَّذِي آمَنْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ (7:75-76)

ان کی قوم میں جو متکبر سردار تھے انہوں نے غریب لوگوں سے جو کہ ان میں سے ایمان لے آئے تھے پوچھا، کیا تم کو اس بات کا یقین ہے کہ صالح (علیہ السلام) اپنے رب کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ بے شک ہم تو اس پر پورا یقین رکھتے ہیں جو ان کو دے کر بھیجا گیا ہے۔ وہ متکبر لوگ کہنے لگے کہ تم جس بات پر یقین لائے ہوئے ہو، ہم تو اس کے منکر ہیں۔

یہاں پر بھی سرداروں کی ذہنیت بتائی گئی ہے کہ وہ کمزور لوگوں کو جو اللہ کے پیغام پر ایمان لے آتے ہیں سوال کرتے ہیں کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ حضرت صالح اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ وہ جو پیغام لے کر آئے ہیں ہم ان پر ایمان لائے ہیں لیکن تکبر کرنے والے کہتے ہیں کہ تم جس پر ایمان لائے ہو ہم اس سے انکار کرتے ہیں۔ آج بھی صورت حال یہ ہے کہ جاگیردار، سردار اور وڈیرے یہی چاہتے ہیں کہ ان کے ملازمین اور کمزور لوگ ان کی مرضی کے مطابق عمل کریں۔

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوهُمْ مِنْ قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ (7:82)

اور ان کی قوم سے کوئی جواب نہ بن پڑا بجز اس کے کہ آپس میں کہنے لگے کہ ان لوگوں کو اپنی بستی سے نکال دو ۔ یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں۔

یہاں ایک روش کا ذکر ہے جو اکثر اس وقت اختیار کی جاتی ہے جب کسی کی بات کا جواب دلیل و برھان سے نہ دیا جا سکے تو پھر طاقت کا استعمال کیا جاتا ہے جس کی بہت سی صورتیں ہے جن میں سے ایک یہ بھی ہے جس کا ذکر اس آیت میں آیا ہے کہ انہیں (یعنی ایمان لانے والوں کو) اپنی بستی سے نکال دیں یہ بڑے پاکباز بنتے ہیں ۔حق کی بات کرنے والوں سے یہی سلوک آج بھی ہوتا ہے ۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا قَالَ اَوَ لَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ (7:88)

ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا کہ اے شعیب ! ہم آپ کو اور جو آپ کے ہمراہ ایمان والے ہیں ان کی اپنی بستی سے نکال دیں گے الا یہ کہ تم ہمارے مذہب میں پھر آجاؤ۔ شعیب (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ کیا ہم تمہارے مذہب میں آجائیں گو ہم اس کو مکروہ ہی سمجھتے ہوں۔

یہاں پر بھی اسی ذہنیت کا اظہار ہے کہ حضرت شعیب اور ان پر ایمان لانے والوں کو بستی سے نکالنے کی دھمکی دی جا رہی ہے یا پھر وہ ان کے مذہب پر لوٹ جائیں ۔آج کل شریعت کے نفاذ کے لئے دھمکانے کا نیا طریقہ استعمال ہو رہا ہے ۔یعنی اسلحے کے زور پر ۔اس کے نتیجے میں بستیاں خالی ہو جاتی ہیں ۔

وَ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ (7:90)

اور ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ اگر تم شعیب (علیہ السلام) کی راہ پر چلو گے تو بے شک بڑا نقصان اٹھاؤ گے۔

آپ نے سورۃ اعراف کی آیات کے حوالوں سے یہ اندازہ لگا لیا ہوگا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی مخالفت کرنے والے کون لوگ تھے اور اس کے لیے وہ کس طرح کے حربے استعمال کرتے تھے ۔مخالفین کے لیے قرآن کریم نے ایک اصطلاح استعمال کی ہے ''الملا'' جس کا مفہوم یہ ہے کہ جن کے برتن بھرے ہوں ۔آج کی اصطلاح میں تجوریاں بھری ہوں ۔یہی لوگ اقتدار میں ہوتے ہیں ۔ قرآن کریم کی بات کل بھی حقیقت تھی آج بھی ہے اور ہمیشہ رہے گی کہ سرمایے اور قوت کے زور پر لوگوں پر حکمرانی کرنا ۔ہماری اسمبلی میں یہی لوگ بیٹھے ہوئے ہیں ۔

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ O وَ مَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ وَ اِنْ وَّجَدْنَاۤ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ (7:101-2)

ان بستیوں کے کچھ کچھ قصے ہم آپ سے بیان کر رہے ہیں اور ان سب کے پاس ان کے پیغمبر معجزات (بینات) لے کر آئے پھر جس چیز کو انہوں نے ابتدا میں جھوٹا کہہ دیا یہ بات نہ ہوئی کہ پھر اس کو مان لیتے ، اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں

کے دلوں پر بند لگا دیتا ہے۔ اور اکثر لوگوں میں ہم نے وفائے عہد نہ دیکھا اور ہم نے اکثر لوگوں کو بے حکم ہی پایا۔

پہلی آیت میں ایک نفسیاتی پیچ کا ذکر ہے کہ ایک شخص جن باتوں کا انکار کردے اس کے لیے بہت مشکل ہوتا ہے کہ وہ ان سے رجوع کرلے۔ لوگ اپنے نظریات اور عقائد پر نظر ثانی کرنے کو تیار نہیں ہوتے اور جیسے جیسے عمر بڑھتی ہے یہ اور بھی مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ یہ تسلیم کرنے سے انسان کی انا کو ٹھیس پہنچتی ہے کہ وہ اتنے عرصہ تک غلط تصورات پر قائم رہا۔ دوسری آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو لوگ بلا وجہ انکار کرتے ہیں وہ بھروسے کے لائق نہیں ہوتے کیونکہ وہ کسی اصول یا قاعدے کے پابند نہیں ہوتے۔ جو لوگ دلیل و برھان کی بنیاد پر بات کرتے ہیں وہ دوسروں کو اپنی بات کی صداقت کا ثبوت پیش کرسکتے ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (8:53)

یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ کسی قوم پر کوئی نعمت انعام فرما کر پھر بدل دے جب تک کہ وہ خود اپنی اس حالت کو نہ بدل دیں جو کہ ان کی اپنی تھی اور یہ کہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

یہاں ایک اہم حقیقت بیان ہوئی ہے کہ جس قوم کو نعمتیں عطاء ہوتی ہیں اس کی حالت اس وقت تک تبدیل نہیں ہوتی جب تک ان کے نفس میں تبدیلی نہ ہو جائے۔ یہاں مروجہ عقیدہ تقدیر کی صریحاً نفی ہوتی ہے۔ اللہ تعالی کی بات اٹل ہوتی ہے۔ یعنی اعمال کے نتائج غیر متبدل ہیں لیکن عمل بہر حال انسان نے ہی کرنا ہے اور جیسا اس کا عمل کرے گا (جس کا اسے مکمل اختیار ہے) ویسا ہی اس کا نتیجہ ہوگا۔ (نتیجے پر اس کا اختیار نہیں ہے) پہلے سے کسی کی تقدیر نہیں لکھی گئی۔ البتہ اعمال کے نتائج ضرور طے شدہ (دوسرے لفظوں میں لکھے ہوئے) ہیں۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ
عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ (8:55-56)

تمام جانداروں سے بدتر، اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو کفر کریں، پھر وہ ایمان نہ لائیں۔ جن سے آپ نے عہدو پیمان کر لیا پھر بھی وہ اپنے عہدو پیمان کو ہر مرتبہ توڑ دیتے ہیں اور بالکل پرہیز نہیں کرتے۔

اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق وہ لوگ ہیں جو کفر کرتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے۔ یہاں ایک مروجہ غلط فہمی دور کرنے کی ضرورت ہے کہ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ کفر ایک نظریہ ہے جس کے ماننے والے کافر کہلاتے ہیں۔ کفر یعنی انکار کرنا دراصل ایک رویے کا نام ہے۔ اگر ایک شخص اللہ کے بعض احکام کو مان رہا ہے اور بعض احکام کا انکار کر رہا ہے تو وہ کسی حد تک کفر بھی کر رہا ہے۔ یاد رہے اللہ تعالی محض زبانی اقرار لیکن عملاً انکار کو بھی کفر کے زمرے میں شمار کرتا ہے۔ لہذا یہ جائزہ لینے کی نہایت ضرورت ہے کہ ہمارا کن احکامات پر ایمان ہے اور کن احکامات کا ہم عملاً انکار کر رہے ہیں۔ ایسی ذہنیت کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے بدترین مخلوق قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ وہ اپنی بات پر قائم نہیں رہتے حتیٰ کہ عہدو پیمان بھی توڑ دیتے ہیں۔ ان کی اس روش کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ''متقی'' نہیں رہتے۔ یعنی زندگی کے سفر میں جو امکانی خطرات درپیش ہو سکتے ہیں ان سے اپنا دامن نہیں بچا پاتے۔

وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ

اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (8:63)

ان کے دلوں میں باہمی الفت بھی اسی نے ڈالی ہے ۔زمین میں جو کچھ ہے تو اگر سارا کا سارا بھی خرچ کر ڈالتا تو بھی ان کے دل آپس میں نہ ملا سکتا۔یہ تو اللہ ہی نے ان میں الفت ڈال دی ہے، وہ غالب حکمتوں والا ہے۔

یہاں ایک اور عظیم حقیقت بیان کی گئی ہے۔ بے شک قرآن کریم کی ہر بات ہمارے لئے کوئی نہ کوئی رہنمائی لئے ہوئے ہے۔افسوس کہ مسلمانوں کی اکثریت خود ان سے بے خبر ہے تو وہ دوسروں کو کیا بتائیں گے۔مندرجہ بالا آیت میں بتایا گیا ہے کہ دلوں میں الفت، ہم آہنگی اور یگانگت کی بنیاد اللہ تعالی فراہم کرتا ہے اور وہ بنیاد صرف اور صرف قرآن کریم ہے۔ اگر دنیا کی ساری دولت بھی خرچ کر دی جائے پھر بھی لوگوں میں باہمی الفت پیدا نہیں ہو سکتی۔ مفادات کے تعلقات صرف اس وقت تک قائم رہتے ہیں جب تک مفاد رہتا ہے۔عربی کی ایک ضرب المثل ہے کہ جسے تم مال دے کر اپنا دوست بناؤ گے کوئی اور زیادہ دے کر اسے تم سے چھین لے گا۔جو فی الواقع قرآن کریم پر عمل کرنے والے ہیں ان کے درمیان دوستی اور یگانگت کا مضبوط رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔

اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ مَاۤ

اُمِرُوْۤا اِلَّا لِيَعْبُدُوْۤا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (9:31)

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے اور مریم کے بیٹے مسیح کو حالانکہ انہیں صرف ایک اکیلے اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔

اللہ کے بتائے ہوئے راستوں سے ہٹ جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لوگ اپنے اپنے زمانے کے مذہبی لیڈروں (ماضی کے احبار و رہبان اور آج کے ملا و مشائخ) کی بتائی ہوئی باتوں، روایتوں اور کہانیوں کو مانتے اور ان پر عمل کرتے ہیں۔اس طرح اللہ کی تعلیمات پیچھے رہ جاتی ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر شخص خود قرآن کریم کو پڑھے، سمجھے اور اس پر عمل کرے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ

الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (9:34)

اے ایمان والو! اکثر علماء اور عابد، لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روک دیتے ہیں ۔اور جو لوگ سونے چاندی کا خزانہ رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی خبر پہنچا دیجئے۔

اس سے پہلے جس آیت کا حوالہ دیا گیا تھا اس میں بتایا گیا تھا کہ لوگ اللہ کی باتوں کو چھوڑ کر مذہبی رہنماؤں کی باتیں مانتے ہیں۔اور اس آیت میں ان مذہبی لیڈروں کے طریقہ واردات کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ یہ لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ میں روکاوٹ

بنتے ہیں۔ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ جولوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں یعنی منفعت انسانی کے لئے استعمال میں نہیں لاتے انہیں دردناک عذاب کی بشارت دی گئی ہے۔ جولوگ ممبروں پر کھڑے ہوکر لوگوں کو انفاق فی سبیل اللہ کی تبلیغ کرتے ہیں وہ خود کتنی رقم اللہ کی راہ میں دیتے ہیں؟ وہ خود تو لوگوں سے اللہ کے نام پر مانگی ہوئی دولت سے عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔اورغریبوں کودنیا کی حرص سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں۔

إِن تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِن تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا مِن قَبْلُ وَيَتَوَلَّوا وَّهُمْ فَرِحُونَ (9:50)

آپ کو اگر کوئی بھلائی مل جائے تو انہیں برا لگتا ہے اور کوئی برائی پہنچ جائے تو یہ کہتے ہیں ہم نے تو اپنا معاملہ پہلے ہی سے درست کر لیا تھا ، پھر تو بڑے ہی اتراتے ہوئے لوٹتے ہیں۔

یہاں حاسد لوگوں کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ دوسروں کی بہتری سے انہیں تکلیف پہنچتی ہے۔یہ حسد کا نفسیاتی اثر ہے کہ انسان اپنے ہی منفی جذبات سے خود کو نقصان پہنچاتا ہے جو نا آسودگی اور مایوسی کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ دوسری طرف اگر کوئی مشکل حالات سے دوچار ہو جائے تو دل میں خوشی محسوس کرتے ہیں جو در حقیقت سطحی ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنے پہلو میں ان دیکھا خوف لئے ہوتی ہے کہ کہیں وہ بھی کسی مشکل میں نہ پڑھ جائیں۔بظاہر وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی دانائی انہیں بچاتی ہے اس لئے وہ اپنے فیصلے اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کرنے کی بجائے جھوٹی خوداعتمادی کے دھوکے میں رہتے ہیں جو بالآخر انہیں لے ڈوبتی ہے۔ حقیقی خوداعتمادی تو اللہ کے قوانین سے پیدا ہوتی ہے۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ (9:58)

ان میں وہ بھی ہیں جو خیراتی مال کی تقسیم کے بارے میں آپ پر عیب رکھتے ہیں ، اگر انہیں اس میں سے مل جائے تو خوش ہیں اور اگر اس میں سے نہ ملا تو فوراً ہی بگڑ کھڑے ہوئے۔

یہاں انسان کی اس خصلت کا ذکر کیا ہے جس کی بنیاد پر وہ فیصلے کرتا ہے یعنی اس کے اپنے مفادات۔اگر اس کو فائدہ ہوتو ٹھیک ہے ورنہ اسے گڑبڑ اور بے ایمانی نظر آئے گی۔ ایسی ذہنیت کے لوگ نبی کریم ﷺ پر بھی الزام لگانے سے باز نہیں رہے۔ آج ہماری پوری قوم اس دوہرے معیار پر اس طرح عمل پیرا ہے کہ اس طرز عمل کو برا ہی نہیں سمجھا جاتا۔قرآن تعلیمات کو پس پشت ڈالنے کے یہی نتیجہ نکلتا ہے۔

وَمِنْهُم مَّنْ عَاهَدَ اللَّهَ لَئِنْ آتَانَا مِن فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ ○
فَلَمَّا آتَاهُم مِّن فَضْلِهِ بَخِلُوا بِهِ وَتَوَلَّوا وَّهُم مُّعْرِضُونَ (9:75-76)

ان میں وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے مال دے گا تو ہم ضرور صدقہ خیرات کریں گے اور پکی طرح نیکو کاروں میں ہو جائیں گے۔ لیکن جب اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا تو یہ اس میں بخیلی کرنے لگے اور ٹال مٹول کرکے منہ موڑ لیا۔

ایسے بہت سے لوگ نظر آئیں گے جو یہ کہتے ہیں کہ اگر میرے پاس دولت آجائے تو میں یہ کروں اور وہ کروں گا۔لیکن دولت ملنے کے بعد سب

کچھ بھول جاتے ہیں اور اپنی من مانیاں کرتے ہیں۔ ایسے لوگ ہر خاندان میں ہوتے ہیں جنکے پاس دولت آ جانے کے بعد انکے تعلقات، طرز عمل اور طرز زندگی اس طرح بدل جاتا ہے کہ دوسرے لوگوں کو حقیر سمجھنے لگ جاتے ہیں۔

ٱلَّذِينَ يَلْمِزُونَ ٱلْمُطَّوِّعِينَ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ فِى ٱلصَّدَقَٰتِ وَٱلَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا
جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ سَخِرَ ٱللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (9:79)

جو لوگ ان مسلمانوں پر طعنہ زنی کرتے ہیں جو دل کھول کر خیرات کرتے ہیں اور ان لوگوں پر جنہیں سوائے اپنی محنت مزدوری کے اور کچھ میسر ہی نہیں، پس یہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں، اللہ بھی ان سے تمسخر کرتا ہے۔ انہی کے لیے دردناک عذاب ہے۔

یہاں پر بعض لوگوں کی عادت بتائی گئی ہے کہ وہ ہر کسی کی عیب جوئی کرنے میں لگے رہتے ہیں اور اچھے کام کرنے والوں کو بھی نہیں بخشتے اور محنت کشوں کی تحقیر کرتے ہیں۔ اپنے خودساختہ عزت کے معیار بنائے بیٹھے ہیں جن کے مطابق دولت مند کو عزت دی جاتی ہے قطع نظر اس کے کہ اس کا ذریعہ معاش کیا ہے؟ اور ذہنیتوں کی طرح اکثریت ایسے لوگوں ہی کی ہے۔

وَإِذَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ أَنْ ءَامِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَجَٰهِدُوا۟ مَعَ رَسُولِهِ ٱسْتَـْٔذَنَكَ أُو۟لُوا۟ ٱلطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوا۟ ذَرْنَا نَكُن مَّعَ ٱلْقَٰعِدِينَ (9:86)

جب کوئی سورت اتاری جاتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ مل کر جہاد کرو تو ان میں سے دولت مندوں کا ایک طبقہ آپ کے پاس آکر یہ کہہ کر رخصت لے لیتا ہے کہ ہمیں تو بیٹھے رہنے والوں میں ہی چھوڑ دیجئے۔

اس آیت میں دولت مندوں اور مذہبی پیشواؤں کی ذہنیت کی صحیح طور پر عکاسی کی گئی ہے کہ وہ کوئی تکلیف نہیں اٹھانا چاہتے نہ کسی مشقت کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ دولت مند جہاد (مروجہ معنوں میں) کی خاطر اپنا پیسا تو دے دیتے ہیں (ثواب کی خاطر) لیکن عملاً اس سے دور رہتے ہیں۔ ایسی طرح مذہبی رہنما لوگوں کو جن اعمال کے لئے وعظ و نصیحت کرتے ہیں عملی طور پر ان میں نہ خود حصہ لیتے ہیں نہ اپنی اولاد کو بھیجتے ہیں۔

وَإِذَا مَسَّ ٱلْإِنسَٰنَ ٱلضُّرُّ دَعَانَا لِجَنۢبِهِۦٓ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَآئِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُۥ مَرَّ كَأَن

لَّمْ يَدْعُنَآ إِلَىٰ ضُرٍّ مَّسَّهُۥ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ (10:12)

اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے لیٹے بھی، بیٹھے بھی، کھڑے بھی۔ پھر جب ہم اس کی تکلیف اس سے ہٹا دیتے ہیں تو وہ ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا اس نے اپنی تکلیف کے لیے جو اسے پہنچی تھی کبھی ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔ ان حد سے گزرنے والوں کے اعمال کو ان کے لیے اسی طرح خوشنما بنا دیا گیا ہے۔

یہ ذہنیت تو اتنی عام ہے کہ اس بارے میں مزید کہنے کی ضرورت نہیں۔ ہر روز ایسے لوگوں سے واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ البتہ یہ بات افسوسناک ہے کہ لوگ اپنی مشکلات کے اسباب جاننے کی کوشش نہیں کرتے۔ جو کتاب ان کے جملہ مسائل کا حل پیش کرتی ہے اسے بغیر سمجھے پڑھتے ہیں۔ لہذا عمل کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دوسری طرف مذہبی رہنماؤں نے انہیں اللہ کا تصور کچھ اس طرح کا ذہن نشین کر رکھا ہے کہ محض یا اللہ

یہ کردے اور وہ کردے کہنے (خود کچھ نہ کرنے) سے ان کی مشکلات حل ہو جائیں گی۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ (10:15)

اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں جو بالکل صاف صاف ہیں تو یہ لوگ جن کو ہمارے پاس آنے کی امید نہیں ہے یوں کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی دوسرا قرآن لائیے یا اس میں کچھ ترمیم کر دیجئے ۔ آپ (ﷺ) یوں کہہ دیجئے کہ مجھے یہ حق نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس میں ترمیم کر دوں۔ بس میں تو اسی کا اتباع کروں گا جو میرے پاس وحی کے ذریعہ سے پہنچا ہے، اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ لوگ قرآن کریم کے احکام کو تسلیم نہیں کرنا چاہتے اور بہانے بناتے ہیں۔ حضور ﷺ کے مخاطبین تو کہتے تھے کہ کوئی دوسرا قرآن لے آؤ یا اسے بدل دو لیکن آج کے مذہبی پیشواؤں نے اس کا حل یہ نکال لیا ہے کہ روایات اور داستانوں کو قرآن کریم پر فوقیت دے رکھی ہے اور عملاً قرآن کریم کے احکام کو پس پشت ڈال رکھا ہے۔ یہاں پر روایات کو پرکھنے کا ابدی اصول بھی دیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ بھی وحی یعنی قرآن کریم پر عمل کرتے تھے لہذا کسی بھی غیر قرآنی عمل کو حضورؐ کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں ہے۔

وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِنْ بَعْدِ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُمْ مَكْرٌ فِي آيَاتِنَا قُلِ اللَّهُ

أَسْرَعُ مَكْرًا إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ (10:21)

اور جب ہم لوگوں کو اس امر کے بعد کہ ان پر کوئی مصیبت پڑ چکی ہو کسی نعمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ فوراً ہی ہماری آیتوں کے بارے میں چالیں چلنے لگتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ چال چلنے میں تم سے زیادہ تیز ہے، بالیقین ہمارے فرشتے تمہاری سب چالوں کو لکھ رہے ہیں۔

اس ذہنیت کا تجربہ بھی ہر کسی کو ہوا ہو گا۔ لوگوں کے حالات بدلنے سے ان کے رویے بھی بدل جاتے ہیں۔ وہ اپنا ماضی بھول جاتے ہیں کہ کل تک ان کی حالت کیا تھی۔ وہ اللہ کے احکام کے بارے میں لیت ولعل سے کام لینا شروع کر دیتے ہیں کیونکہ ان کا ان احکام پر ایمان پختہ نہیں ہوتا۔ لیکن ان کے اعمال کے اثرات ان کی ذات پر مرتب ہوتے رہتے ہیں۔

وَلَئِنْ أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ إِنَّهُ لَيَئُوسٌ كَفُورٌ ۝ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ (11:9-10)

اگر ہم انسان کو اپنی کسی نعمت کا ذائقہ چکھا کر پھر اسے اس سے لے لیں تو وہ بہت ہی نا امید اور بڑا ہی ناشکرا بن جاتا ہے۔ اور اگر ہم اسے کوئی نعمت چکھائیں اس سختی کے بعد جو اسے پہنچ چکی تھی تو وہ کہنے لگتا ہے کہ بس

برائیاں مجھ سے جاتی رہیں، یقیناً وہ بڑا ہی اترانے والا شیخی خور ہے۔

یہ بھی سابقہ آیت کی طرح اس رویے کی عکاسی کرتی ہے جس سے سب واقف ہیں۔ یہاں یہ اضافہ ہے کہ حالات بہتر ہو جانے کے بعد نہ صرف یہ کہ وہ اللہ کے احکام کو بھول جاتا ہے بلکہ وہ اسے اپنا کمال سمجھتا ہے اور غرور میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ
هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّأْيِ وَمَا نَرَىٰ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِينَ (11:27)

اس کی قوم کے کافروں کے سرداروں نے جواب دیا کہ ہم تو تجھے اپنے جیسا انسان ہی دیکھتے ہیں اور تیرے تابعداروں کو بھی ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ واضح طور پر سوائے نیچ لوگوں کے اور کوئی نہیں جو بے سوچے سمجھے (تمہاری پیروی کر رہے ہیں) ہم تو تمہاری کسی قسم کی برتری اپنے اوپر نہیں دیکھ رہے، بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا سمجھ رہے ہیں۔

یہاں لیڈروں کی ذہنیت کے بارے میں بتایا گیا ہے جو اپنی دولت اور خود ساختہ عزت کی وجہ سے بڑے بن جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک عام لوگ نیچ ہوتے ہیں اور بے وقوف بھی۔ وہ مخالفت کی دیگر وجوہات کے ساتھ ساتھ یہ سبب بھی بیان کرتے ہیں کہ جن لوگوں کو اللہ تعالی اپنا رسول بناتا ہے ان کا تعلق ان سرداروں اور لیڈروں کے طبقے سے نہیں ہوتا بلکہ وہ عام انسان ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو ہر انسان کو واجب تکریم قرار دیا ہے اور اس کے نزدیک اچھے ہونا کا معیار تقوی ہے لیکن ان سرداروں کو یہ باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ آج بھی یہی ذہنیت ہمارے سیاسی لیڈروں کی ہے۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَيَّ إِجْرَامِي وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تُجْرِمُونَ (11:35)

کیا یہ کہتے ہیں کہ اسے خود اسی نے گھڑ لیا ہے؟ تو جواب دے کہ اگر میں نے اسے گھڑ لیا ہو تو میرا گناہ مجھ پر ہے اور میں ان گناہوں سے بری ہوں جو تم کر رہے ہو۔

یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ ہر انسان اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔ لہذا دوسروں کو الزام دینے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اس کی بجائے اپنے عمل کو دیکھنا چاہیے کہ اللہ کی ہدایت کے مطابق ہے یا نہیں۔ دور اول کے کافر تو سرے سے مانتے ہی نہیں تھے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور نبی کریم ﷺ پر الزام تراشی کرتے تھے کہ یہ انہوں نے خود گھڑ لیا ہے (نعوذ باللہ) لیکن آج یہ حال ہے کہ کوئی صرف قرآن کریم کو معیار ماننے اور اس کے مطابق عمل کرنے کو تیار نہیں۔ اس کے بجائے ہر کوئی اپنے اپنے مسلک کا پیروکار ہے۔

قَالُوا يَا شُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرَاكَ فِينَا ضَعِيفًا وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ وَمَا أَنتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ (11:91)

انہوں نے کہا اے شعیب تیری اکثر باتیں تو ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتیں اور ہم تو تجھے اپنے اندر بہت کمزور پاتے ہیں، اگر تیرے قبیلے کا خیال نہ ہوتا تو ہم تو تجھے سنگسار کر دیتے اور ہم تجھے کوئی حیثیت والی ہستی نہیں گنتے۔

یہاں یہ ذہنیت سامنے آتی ہے کہ انسان جس نظریے پر قائم ہوتا ہے اس کے سوا وہ کوئی بات سننا اور سمجھنا نہیں چاہتا اور کہتا یہ ہے مجھے تمہاری بات سمجھ میں نہیں آتی۔ دوسری بات یہاں یہ ہے کہ کمزور شخص کی بات کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی البتہ اگر اس کا کوئی گروہ ہو تو اس کا ڈر ضرور ہوتا ہے۔ اس کی متعدد مثالیں ہمارے معاشرے میں رونما ہونے والے واقعات سے ملتی ہیں۔

الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ (14:3)

جو آخرت کے مقابلے میں دنیوی زندگی کو پسند رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں ٹیڑھ پن پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ یہی لوگ پرلے درجے کی گمراہی میں ہیں۔

یہاں اس روش کا ذکر ہے کہ لوگ آخرت یعنی مستقبل کی زندگی پر دنیاوی یعنی مفاد عاجلہ کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں اللہ کی راہ میں روکاوٹ ڈالتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ کے قانون میں بھی کوئی گنجائش نکال سکیں جس طرح وہ مملکت کے قوانین میں نکال لیتے ہیں۔ ہمارا معاشرہ اس ذہنیت کا بری طرح شکار ہے۔ ہر شخص کسی قانون یا اخلاقی قدر کی پرواہ کیے بغیر دولت کمانے میں مصروف ہے۔ کچھ ہمارے مذہبی رہنماؤں نے انہیں ایسی غلط فہمی میں مبتلا کر رکھا ہے کہ وہ دلی طور پر مطمئن ہیں کہ آخرت میں معافی مل جائے گی۔ ایسے لوگ گمراہی میں بہت دور تک نکل جاتے ہیں۔

وَ قَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَ وَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ وَ مَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَ لُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (14:22)

جب امور کام کا فیصلہ کر دیا جائے گا تو شیطان کہے گا کہ اللہ نے تمہیں سچا وعدہ دیا تھا اور میں نے تم سے جو وعدے کیے تھے ان کا خلاف کیا، میرا تم پر کوئی دباؤ تو تھا ہی نہیں ہاں میں نے تمہیں پکارا اور تم نے میری مان لی، پس تم مجھے الزام نہ لگاؤ بلکہ خود اپنے آپ کو ملامت کرو، نہ میں تمہارا فریادرس اور نہ تم میری فریاد کو پہنچنے والے، میں تو سرے سے مانتا ہی نہیں کہ تم مجھے اس سے پہلے اللہ کا شریک مانتے رہے، یقیناً ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

شیطان صفت انسان فیصلے کے وقت (چاہے اس دنیا میں ہو یا آخرت میں) کسی قسم کی ذمہ داری قبول نہیں کرتے اگرچہ جب وہ لوگوں کو گمراہ کر رہے ہوتے ہیں تو ظاہر کرتے ہیں کہ وہ اپنے ماننے والوں کو بچا لیں گے لیکن ایسا ہوتا نہیں نہ ہو سکتا ہے۔ کتنی حیرت کی بات ہے کہ جتنی بھی ذہنیتوں کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے وہ تقریباً سب ہمارے معاشرے کی عکاسی کرتی ہیں۔ ہمارے سیاستدانوں میں یہ روش عام ہے کہ جونہی وہ حکومت سے علیحدہ ہوئے یا کر دئے گئے تو وہ کسی قسم کی ذمہ داری لینے کو تیار نہیں ہوتے۔ اگر کوئی کسی کے کہنے پر کوئی غلط کام کرے تو وہ بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔ لہذا کسی شخص کی بات ماننے سے پہلے اچھی طرح غور کر لینا چاہیے۔

وَ اٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ (14:34)

اسی نے تمہیں تمہاری منہ مانگی کل چیزوں میں سے دے رکھا ہے ۔ اگر تم اللہ کی نعمتیں گننا چاہو تو انہیں گن بھی نہیں سکتے۔ یقیناً انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے۔

یہاں انسان کی اس روش کا ذکر ہے جس کے مطابق وہ اللہ کی بے شمار نعمتوں کا اعتراف نہیں کرتا اور سمجھتا یہ ہے کہ سب کچھ اس کی اپنی محنت کا نتیجہ ہے ۔ ایسے لوگوں کو ظالم اور کفر کرنے والا قرار دیا گیا ہے ۔ کیا یہ طرزِ عمل اختیار کرنے والوں نے کبھی یہ سمجھا ہے کہ وہ ظلم یا کفر کا ارتکاب کرر ہے ہیں؟

وَ يَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَ تَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَ اَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ (16:62)

اور وہ اپنے لیے جو ناپسند رکھتے ہیں اللہ کے لیے ثابت کرتے ہیں اور ان کی زبانیں جھوٹی باتیں بیان کرتی ہیں کہ ان کے لیے خوبی ہے ۔نہیں نہیں ، دراصل ان کے لیے آگ ہے اور یہ دوزخیوں کے پیش رو ہیں۔

ہمارے ہاں بہت سے عقائد قرآن کریم کے منافی اس لئے ہیں کہ انسانوں کے ذہنوں میں اللہ کا جو تصور ہے وہ مذہبی رہنماؤں کا دیا ہوا ہے ۔ کبھی کسی نے غور نہیں کیا کہ اللہ تعالٰی کے متعلق ایسا تصور قائم کرنے سے ہم اسے انسانوں سے بھی پست (نعوذ باللہ) مقام پر لے آتے ہیں ۔ اس آیت میں اسی بات کی عکاسی نہایت احسن انداز میں کی گئی ہے کہ لوگ جو بات اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں وہ اللہ کے لئے مختص کر دیتے ہیں ۔مثال کے طور پر یہ تصور عام ہے کہ اللہ تعالٰی گناہ معاف کر دیتا ہے ۔ یہی مثال اگر کسی شخص پر منطبق کی جائے تو کیا صورت حال ہوگی ۔ زید نے بکر کا مال کھا لیا ہے ۔ جج صاحب کے سامنے وہ اقرار بھی کر لیتا ہے لیکن جج صاحب اسے معاف کر دیتے ہیں ۔ کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ بکر کے ساتھ انصاف ہوا ہے؟ اگر وہ بکر کی جگہ ہوتا تو اس صورت میں بھی اس کا یہی خیال ہوتا ؟ اسی طرح کے بہت سے تصورات ہم نے اللہ کے بارے میں قائم کرر کھے ہیں کہ اگر کوئی انسان ویسا عمل کرے تو ہم اسے ناپسند کرتے ہیں ۔

وَ اِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا (17:16)

اور جب ہم کسی بستی کی ہلاکت کا ارادہ کر لیتے ہیں تو وہاں کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں اور وہ اس بستی میں کھلی نافرمانی کرنے لگتے ہیں تو ان پر (عذاب کی) بات ثابت ہو جاتی ہے پھر ہم اسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔

یہاں یہ بتایا گیا ہے کسی بھی بستی میں تباہی آتی ہے تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ خوشحال لوگ دولت کے نشے میں خود کو قانون سے بالاتر سمجھنے لگتے ہیں جس کی وجہ سے لاقانونیت عام ہو جاتی ہے ۔ جب قانون کی گرفت کمزور پڑتی ہے تو جرائم کی شرح بڑھتی جاتی ہے اور تباہی آجاتی ہے ۔ پاکستان برسوں سے ایسی ہی صورت حال سے دوچار ہے جو روز بروز بڑھتی جا رہی ہے ۔

وَّ جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا وَ اِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا (17:46)

اور ان کے دلوں پر ہم نے پردے ڈال دئیے ہیں کہ وہ اسے سمجھیں اور ان کے کانوں میں بوجھ اور جب تو صرف اللہ ہی کا ذکر اس کی توحید کے ساتھ، اس قرآن میں کرتا ہے تو وہ رو گردانی کرتے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں ۔

اس آیت میں بھی ان لوگوں کے بارے میں بتایا گیا ہے جو صرف قرآن کریم کو معیار قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتے اور ایسا لگتا ہے کہ ان کے دلوں پر پردہ پڑ گیا ہے اور ان کے کانوں کو ڈاٹ لگ گئی ہے ۔ آج بھی لوگوں کی یہی روش ہے کہ روایات اور سنے سنائے عقائد کو صحیح تسلیم کر لیتے ہیں لیکن صرف قرآن کریم کی بات کی جائے تو یوں مخالفت کرتے ہیں جیسے بہت غلط بات کر دی ہو۔

وَإِذَآ أَنْعَمْنَا عَلَى ٱلْإِنسَٰنِ أَعْرَضَ وَنَـَٔا بِجَانِبِهِۦ وَإِذَا مَسَّهُ ٱلشَّرُّ كَانَ يَـُٔوسًا (17:83)

اور انسان پر جب ہم اپنا انعام کرتے ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا ہے اور کروٹ بدل لیتا ہے اور جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ مایوس ہو جاتا ہے۔

انسانوں کی اس روش کا تجربہ تو ہر کسی کو اکثر ہوتا رہتا ہے کہ جب کسی کے پاس بہت سی نعمتیں ہوں تو اس کا رویہ ایسا ہو جاتا ہے کہ وہ دوسروں کو کچھ نہیں سمجھتا اور بہت گھمنڈ میں مبتلا ہوتا ہے لیکن جب اسے کوئی تکلیف پہنچے تو ڈیپریشن کا شکار ہو جاتا ہے ۔

وَكَذَٰلِكَ أَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوٓا۟ أَنَّ وَعْدَ ٱللَّهِ حَقٌّ وَأَنَّ ٱلسَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَآ إِذْ يَتَنَٰزَعُونَ بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ فَقَالُوا۟ ٱبْنُوا۟ عَلَيْهِم بُنْيَٰنًا
رَّبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ قَالَ ٱلَّذِينَ غَلَبُوا۟ عَلَىٰٓ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا (18:21)

ہم نے اس طرح لوگوں کو ان کے حال سے آگاہ کر دیا کہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ بالکل سچا ہے اور قیامت میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ جبکہ وہ اپنے امر میں آپس میں اختلاف کر رہے تھے کہنے لگے ان کے غار پر ایک عمارت بنالو۔ ان کا رب ہی ان کے حال کا زیادہ عالم ہے ۔ جن لوگوں نے ان کے بارے میں غلبہ پایا وہ کہنے لگے کہ ہم تو ان کے آس پاس مسجد بنالیں گے۔

یہاں پر قابل غور بات یہ ہے کہ جو لوگ دوسروں پر غالب آجاتے ہیں (چالاکی یا چرب زبانی کی وجہ سے) وہ تاریخی مقامات پر مساجد اور مزار بنا لیتے ہیں کیونکہ اس طرح انہیں دولت حاصل کرنے کے بہت مواقع ملتے ہیں اور وہ ایسی جگہوں پر سرپرست بن کر بیٹھ جاتے ہیں۔ شاید عام لوگوں کو یہ اندازہ نہ ہو کہ پاکستان میں موجود مزاروں سے کتنی آمدنی حاصل ہوتی ہے۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِٱلْأَخْسَرِينَ أَعْمَٰلًا O ٱلَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا O أُو۟لَٰٓئِكَ
ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ بِـَٔايَٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهِۦ فَحَبِطَتْ أَعْمَٰلُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ وَزْنًا (18:103-105)

کہہ دیجئے کہ اگر میں تمہیں بتا دوں کہ باعتبار اعمال سب سے زیادہ خسارے میں کون ہیں؟ وہ ہیں کہ جنکی دنیوی زندگی کی تمام تر کوششیں بیکار ہو گئیں اور وہ اسی گمان میں رہے کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں اور اس کی ملاقات سے کفر کیا ، اس لیے ان کے اعمال غارت ہوگئے پس قیامت کے دن

ہم ان کا کوئی وزن قائم نہ کریں گے۔

ان آیات میں واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ وہی عمل اللہ کے نزدیک نتیجہ خیز ہوگا جو اللہ کی ہدایت کے مطابق (جواب قرآن کریم میں ہے) ہوگا۔ اس کے سوا تمام اعمال رائگاں اور بے نتیجہ ہوں گے چاہے کوئی اپنے طور پر انہیں کتنا ہی اہم اور مقدس کیوں نہ سمجھے۔ مذہبی لیڈروں نے لوگوں کو بہت سے عمل بتا رکھے ہیں جن میں صرف زبان سے الفاظ ادا کرنا ہوتے ہیں (ثواب کی خاطر) قرآن کریم سے ایسی کوئی ہدایت نہیں ملتی کہ محض زبان سے کچھ کہا جائے ۔ ایسے تمام اعمال کا قیامت کے روز کوئی وزن نہیں ہوگا۔ لہذا یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے ہر عمل کا جائزہ قرآن کریم کی روشنی میں لیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰی حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ نِ اطْمَاَنَّ بِهٖ وَ اِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ نِ انْقَلَبَ عَلٰی وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ (22:11)

بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ ایک کنارے پر (کھڑے) ہو کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اگر کوئی نفع مل گیا تو دلچسپی لینے لگتے ہیں اور اگر کوئی آفت آگئی تو اسی وقت منہ پھیر لیتے ہیں؟ انہوں نے دونوں جہان کا نقصان اٹھا لیا ۔ واقعی یہ کھلا نقصان ہے۔

یعنی وہ دو کشتیوں کی سواری کرنا چاہتے ہیں۔ ایسی ذہنیتوں کو تلاش کرنے میں کوئی محنت نہیں کرنا پڑے گی۔ ہر روز ہمارا واسطہ ایسے لوگوں سے پڑتا رہتا ہے۔ مشکل میں ہوں تو اپنے تئیں وہ اللہ کو خوش کرنے کے لئے نمازیں اور نوافل ادا کر رہے ہوتے ہیں۔ لیکن اصل بات تو یہ دیکھنی چاہیے کہ اللہ کے کس حکم کی خلاف ورزی کے نتیجے میں وہ مسائل کا شکار ہوئے ہیں۔ اللہ کی ہدایت پر ہمہ وقت عمل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وقتی طور پر یا مصائب درپیش ہونے پر تو عمل کر لیا جائے اور جب ان سے نکل جائیں تو بھلا دیا جائے تو ایسا کرنے سے جو نقصان ہوتا ہے وہ ناقابل تلافی ہوتا ہے۔

وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمُ النَّارُ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ (22:72)

جب ان کے سامنے ہمارے کلام کی کھلی ہوئی آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو آپ کافروں کے چہروں پر ناخوشی کے صاف آثار پہچان لیتے ہیں ، وہ تو قریب ہوتے ہیں کہ ہماری آیتیں سنانے والوں پر حملہ کر بیٹھیں ، کہہ دیجئے کہ کیا میں تمہیں اس سے بھی زیادہ بدتر خبر دوں وہ آگ ہے جس کا وعدہ اللہ نے کافروں سے کر رکھا ہے ، اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

خود کو مسلمان کہلوانے والے اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ ایسی آیات کا اطلاق ان پر نہیں ہوتا کیونکہ ذکر تو کافروں کا ہو رہا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ تو مخصوص رویوں کی بات کر رہا ہے نہ کہ مخصوص لوگوں کی۔ اس لئے محض یہ اطمینان کافی نہیں ہے کہ ہم مسلمان ہیں بلکہ اس بات کا یقین کرنا

بھی ضروری ہے کہ کہیں ہم اللہ کی کسی ہدایت کے خلاف عمل تو نہیں کر رہے؟ جو بھی اللہ کا کلام پیش کیے جانے پر ناخوشی کا اظہار کرتا ہے اس کا شمار میں کفر کرنے والوں میں ہوگا۔ عجیب بات ہے کہ آج بھی اگر کوئی یہ کہے کہ صرف وہی بات صحیح ہوگی جو قرآن کریم کے مطابق ہوگی تو اس کی ان لوگوں کی طرف سے جو اسلام کے دعویدار ہیں، شدید مخالفت کی جاتی ہے۔ فرقوں میں بٹے ہوئے لوگ اور ان کے مذہبی راہنما ایک دوسرے کو کسی حد تک برداشت کر لیتے ہیں اور جیو اور جینے دو کے اصول پر متفق ہو جاتے ہیں لیکن اگر انہیں کہیں سے قرآن کریم کا پیغام عام ہونے کی خبر ملتی ہے تو سب متحد ہو کر اس کی مخالف میں کمربستہ ہو جاتے ہیں۔

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيدُ أَن يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنزَلَ
مَلَائِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ☆ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهِ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوا بِهِ حَتَّىٰ حِينٍ (23:24-25)

اس کی قوم کے کافر سرداروں نے صاف کہہ دیا کہ یہ تو تم جیسا ہی انسان ہے، یہ تم پر فضیلت اور بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اگر اللہ ہی کو منظور ہوتا تو کسی فرشتے کو اتارتا، ہم نے تو اسے اپنے اگلے باپ دادوں کے زمانے میں سنا ہی نہیں۔ یقیناً اس شخص کو جنون ہے پس تم اسے ایک وقت مقرر تک ڈھیل دو۔

جیسا کہ پہلے بھی ذکر آ چکا ہے، جو لوگ لیڈر بنے بیٹھے ہوتے ہیں وہ اللہ کے پیغام کو نہ ماننے کے لیے بہانے تراشتے رہتے ہیں اور ان کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ یہ عام آدمی کیوں ہیں، اللہ نے کسی بڑے آدمی (ان کی سوچ کے مطابق) کا انتخاب کیوں نہ کیا؟ یا پھر کوئی فرشتہ بھیج دیتا۔ دوسرا اعتراض یہ کہ ایسی باتیں تو ہم نے اپنے باپ دادوں سے نہیں سنی۔ نبوت کا سلسلہ ختم ہونے اور اللہ کا آخری پیغام قرآن کریم میں محفوظ ہو جانے کے بعد کچھ لوگوں نے اپنے طور پر سمجھ لیا ہے کہ وہی اسلام کی صحیح تشریح کر سکتے ہیں۔ وہ عام آدمی کو یہ اختیار دینے کو تیار نہیں ہوتے کہ وہ ان کی مدد کے بغیر اس پیغام کو سمجھ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ لوگ بھی براہ راست اللہ کے کلام کو معیار بنانے کی بجائے اسلاف پرستی پر شدت سے قائم ہیں۔ خود کو عقلمند اور دوسروں کو پاگل قرار دینے کی روش آج بھی قائم ہے۔

وَقَالَ الْمَلَأُ مِن قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِلِقَاءِ الْآخِرَةِ وَأَتْرَفْنَاهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ
يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ ☆ وَلَئِنْ أَطَعْتُم بَشَرًا مِّثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذًا لَّخَاسِرُونَ (23:33-34)

اور سرداران قوم نے جواب دیا، جو کفر کرتے تھے اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلاتے تھے اور ہم نے انہیں دنیوی زندگی میں خوشحال کر رکھا تھا، کہ یہ تو تم جیسا ہی انسان ہے، تمہاری ہی خوراک یہ بھی کھاتا ہے اور تمہارے پینے کا پانی ہی یہ بھی پیتا ہے۔ اگر تم نے اپنے جیسے ہی انسان کی تابعداری کر لی تو بے شک تم سخت خسارے والے ہو۔

یہاں بھی یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کے پیغام کی مخالفت کرنے والے کون ہوتے ہیں اور ان کا اعتراض کیا ہوتا ہے۔ مخالفت کرنے والے وہ ہوتے ہیں جو لیڈر بنے ہوتے ہیں اور دولت مند بھی ہوتے ہیں۔ ان کا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے پیغامبر عام لوگوں میں سے کیوں ہیں۔ لوگوں کی اسی سوچ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اور اپنے آپ کو دوسروں سے منفرد بنانے کے لئے آج کل کے مذہبی راہنما مخصوص حلیہ بنا کر سادہ لوح لوگوں کو اپنا غلام بنائے ہوئے ہیں۔

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ☆ يَا وَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ☆

لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي ۗ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنسَانِ خَذُولًا (25:27-29)

اور اس دن ظالم شخص اپنے ہاتھوں کو چبا چبا کر کہے گا ہائے کاش کہ میں نے رسول ﷺ کی راہ اختیار کی ہوتی۔ ہائے افسوس کاش کہ میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس نے تو مجھے اس کے بعد گمراہ کر دیا کہ نصیحت میرے پاس آپہنچی تھی اور شیطان تو انسان کو (وقت پر) دغا دینے والا ہے۔

یہاں اس شخص کی کیفیت بیان کی گئی ہے جو بلا سوچے سمجھے کسی کے پیچھے لگتا ہے۔ جب نتائج سامنے آتے ہیں (دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی) تو وہ افسوس کا اظہار کرتا ہے لیکن اپنی ذمہ داری قبول نہیں کرتا حالانکہ اللہ کی ہدایت تو سب کے لیے ہے اور صحیح اور غلط کا معیار وہی ہے۔ ہر انسان کو اپنا عمل اس کی روشنی میں پرکھنا چاہیے۔

أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ ۚ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ ۖ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا (25:44)

کیا آپ اسی خیال میں ہیں کہ ان میں سے اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں۔ وہ تو نرے چوپایوں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے۔

انسان کو اشرف المخلوقات کہنے والوں کو اللہ کی اس بات پر بھی غور کرنا چاہیے کہ اگر انسان سننے اور سمجھنے کی صلاحیت کا استعمال نہ کرے تو وہ جانوروں سے بھی بدتر ہوتا ہے۔ اشرف المخلوقات بننے کے لیے لازمی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق زندگی بسر کی جائے۔ افسوس ہے کہ مذہب کے ٹھیکیدار سب سے پہلے عوام الناس کو اسی صلاحیت سے محروم کرتے ہیں۔ یہ جملہ تو ہر کسی کو رٹا دیا گیا ہے کہ مذہب کے معاملے میں عقل کا استعمال کرو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ جو اللہ تعالیٰ کی بات کو بھی غلط (معاذ اللہ) ثابت کرنے پر تلا ہو وہ معاشرے میں کتنا فساد نہیں پھیلائے گا؟ سوات اور قبائلی علاقوں میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس امر کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ مِّن قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ (27:56)

قوم کا جواب بجز اس کہنے کے اور کچھ نہ تھا کہ آل لوط کو اپنے شہر سے شہر بدر کر دو، یہ تو بڑے پاکباز بن رہے ہیں۔

یہاں پر ایک اور ردِ عمل کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ جب لوگوں کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوتی تو وہ دوسرے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ جن میں طاقت کا استعمال ہوتا ہے۔ انہیں میں سے ایک طریقہ شہر بدر کرنے کا ہے۔ آج کل پورے ملک میں ڈنڈے کے زور پر اسلام لانے کی جو کوششیں ہو رہی ہیں وہ اسی طرزِ عمل کی عکاسی کرتی ہیں۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطَايَاكُمْ وَمَا هُم بِحَامِلِينَ مِنْ خَطَايَاهُم مِّن شَيْءٍ ۖ
إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ O وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ ۖ وَلَيُسْأَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ (29:12-13)

کافروں نے ایمان والوں سے کہا کہ تم ہماری راہ کی تابعداری کرو تمہارے گناہ ہم اٹھالیں گے، حالانکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی نہیں اٹھانے والے، یہ تو محض جھوٹے ہیں۔ البتہ یہ اپنے بوجھ ڈھولیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ

ہی اور بوجھ بھی اور جو کچھ افترا پردازیاں کر رہے ہیں ان سی کی بابت ان سے باز پرس کی جائے گی۔

یہاں پر بھی اس ذہنیت کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ دوسروں کو غلط کاموں پر اکسانے والے بظاہر ان کو یقین دہانی کرا رہے ہوتے ہیں کہ انہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں یہ خود نتیجہ بھگت لیں گے لیکن جب نتائج کا وقت آتا ہے تو اُس وقت یہ لوگ اپنے آپ کو بچانے میں لگ جاتے ہیں۔ اللہ کے قانون کے مطابق کوئی شخص دوسرے کے حصے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ یعنی جو کرے گا وہی بھرے گا۔ البتہ گمراہ کرنے والے کے بوجھ میں اضافہ اس لیے ہو جاتا ہے کہ وہ جھوٹ اور فریب دہی جیسے جرائم بھی کرتا ہے۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا وَلَّىٰ مُسْتَكْبِرًا كَأَنْ لَمْ يَسْمَعْهَا كَأَنَّ فِي أُذُنَيْهِ وَقْرًا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (31:7)

جب اس کے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو تکبر کرتا ہوا اس طرح منہ پھیر لیتا ہے گویا اس نے سنا ہی نہیں گویا کہ اس کے دونوں کانوں میں ڈاٹ لگے ہوئے ہیں ، آپ اسے دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے۔

جو رویہ اس آیت میں بتایا گیا ہے اسے جو کوئی بھی اپنائے گا اس کا انجام بھی یہی ہوگا۔ قرآن کی آیات کو سن کر روایت پسند لوگ اسی طرح کا ردِ عمل ظاہر کرتے ہیں۔ وہ شاید اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ ایسی آیات ان کے لئے نہیں ہیں۔ حیرت ہوتی ہے ان لوگوں پر جو عالم دین ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں کہ کیا ایسی آیات ان کی نظر سے نہیں گزرتیں یا وہ جان بوجھ کر ایسا رویہ اپناتے ہیں۔ بہر حال اللہ نے تو نتیجہ بتا دیا ہے جس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِنْ نَذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ O

وَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ (35-34:34)

اور ہم نے تو جس بستی میں جو بھی آگاہ کرنے والا بھیجا وہاں کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا کہ جس چیز کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو ہم اس کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں۔ اور کہا ہم مال و اولاد میں بہت بڑھے ہوئے ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم عذاب دیئے جائیں۔

ان آیات میں پھر یہ بات آئی ہے کہ مخالفت کرنے والے عام طور پر خوشحال لوگ ہوتے ہیں جو کثرت مال کے ساتھ ساتھ اولاد زیادہ ہونے کا غرور بھی کرتے ہیں۔ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ ان کو عذاب نہیں ہوگا۔ کیا یہی سوچ آج کل کے نام نہاد مسلمانوں میں نہیں رچ بس چکی؟ قطع نظر اس کے کہ دولت کیسے حاصل کی گئی ہو، کیا عمرے، حج، قربانیاں وغیرہ کرنے کے بعد یہی اطمینان نہیں حاصل ہو جاتا کہ اب میرے گناہ معاف ہو گئے ہیں؟ اس سے غریبوں کے دلوں میں یہ خیال تو ضرور آتا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ مال دار لوگوں سے رعایت کرتا ہے۔ لیکن انہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی بات کی ہی نہیں۔ بلکہ ایسا کرنے والوں کو بتا دیا گیا ہے کہ ان کے اس طرح کے اعمال رائیگاں جائیں گے۔ یعنی نہ اس دنیا میں ان کا کوئی نتیجہ نکلتا ہے نہ آخروی زندگی میں ان کو کوئی فائدہ ہوگا۔

إِنَّ هَٰذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً وَلِيَ نَعْجَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ (38:23)

یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک ہی دنبی ہے لیکن یہ مجھ سے کہہ رہا ہے کہ اپنی یہ ایک بھی مجھ ہی کو دے دے اور مجھ پر بات میں بڑی سختی برتتا ہے۔

یہاں بہت حسین انداز میں سرمایہ دارانہ ذہنیت کی عکاسی کی گئی ہے۔ جس کے پاس پہلے ہی بہت زیادہ ہوتا ہے اس کا پیٹ نہیں بھرتا اور اس کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ دوسروں کے منہ سے ایک نوالہ بھی چھین لے۔ بعض اوقات حیرانگی ہوتی ہے کہ ایک شخص کروڑوں کا مالک ہوتا ہے لیکن وہ کسی غریب سے کام لیتے ہوئے چند روپوں کے لئے بھاؤ تاؤ کر رہا ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں حکومت کے سربراہ سے لے کر حکومتی اداروں کے ہر سطح کے ملازمین سرمایہ جمع کرنے کی دوڑ میں لگے ہوئے ہیں چاہے یہ قومی دولت سے لوٹا جائے یا عوام کی جیبوں سے۔ اسی طرح کاروباری لوگوں کا حال ہے۔

وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ (39:45)

جب اللہ اکیلے کا ذکر کیا جائے تو ان لوگوں کے دل نفرت کرنے لگتے ہیں جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے اور جب اس کے سوا ذکر کیا جائے تو ان کے دل کھل کر خوش ہو جاتے ہیں۔

آج بھی لوگوں کی یہی کیفیت ہوتی ہے جب صرف قرآن کریم کی بات کی جائے تو انہیں ناگوار گزرتا ہے۔ ابتدائی انسانوں سے لے کر آج تک یہی روش ہے کہ اللہ کی بات کو رد کرنے کے لئے یہ طریقہ کار اختیار کیا جاتا ہے۔ کوئی دلیل تو ہوتی نہیں ہے اس لئے جذباتی حربے استعمال کئے جاتے ہیں کہ دیکھو یہ آپ کے بزرگوں کی باتوں کو رد کر رہا ہے۔ ایسی محفلیں سجائی جاتی ہیں جن میں گزرے ہوئے بزرگوں یا روایات و حکایات بیان ہو رہی ہوتی ہیں اور لوگ خوشی سے نعرے بلند کر رہے ہوتے ہیں۔

فَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ إِذَا خَوَّلْنَاهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (39:49)

انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے، پھر جب ہم اسے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرما دیں تو کہنے لگتا ہے کہ اسے تو میں محض اپنے علم کی وجہ سے دیا گیا ہوں، بلکہ یہ آزمائش ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ بے علم ہیں۔

جب انسان کو اپنی غلط کاریوں کے نتیجے میں کسی مشکل میں گرفتار ہوتا ہے تو وہ اللہ کو یاد کرتا ہے لیکن جب نعمتیں میسر ہوتی ہیں تو وہ انہیں اپنے علم و ہنر کا باعث قرار دیتا ہے۔ وہ یہ بھول جاتا ہے کہ ہر شے اللہ کی پیدا کردہ ہے اور انسانوں کو جو کچھ مل رہا ہے وہ سب اس زمین سے نکلتا ہے۔ علم و ہنر بھی اللہ ہی کا عطا کردہ ہے انہیں صلاحیتوں کی بنا پر انسان صرف محنت کرتا ہے۔ شاطر لوگ تو محنت بھی نہیں کرتے بلکہ ان صلاحیتوں کا غلط استعمال کرتے ہوئے دوسروں کی محنت کا ماحصل لوٹ لیتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ إِن فِي صُدُورِهِمْ
إِلَّا كِبْرٌ مَّا هُم بِبَالِغِيهِ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (40:56)

جو لوگ باوجود اپنے پاس کسی سند کے نہ ہونے کے آیات الٰہی میں جھگڑا کرتے ہیں ان کے دلوں میں بجز نری بڑائی کے

اور کچھ نہیں وہ اس تک پہنچنے والے ہی نہیں ، سو تو اللہ کی پناہ مانگتا رہ بیشک وہ پورا سننے والا اور سب سے زیادہ دیکھنے والا ہے۔

جو لوگ اللہ کی آیات کے بارے میں بحث مباحثہ کرتے ہیں جب کہ ان کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی اتھارٹی نہیں ہوتی وہ دراصل تکبر میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ہمارے ملک میں موجود مفتی، علامہ، شیخ اس آیت کی چلتی پھرتی تشریح ہیں۔ وہ خود کو حق پر اور اپنی بات کو حرف آخر سمجھتے ہیں۔ نہ معلوم ان کی نظر سے ایسی آیات گزرتی ہیں تو ان کا ردعمل کیا ہوتا ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کا اپنا مکافات عمل کا نظام ہے جس کے دائرے سے کوئی بھی باہر نہیں نکل سکتا۔

وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ وَمِن بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ إِنَّنَا عَامِلُونَ (41-5)

اور انہوں نے کہا کہ تو جس کی طرف ہمیں بلا رہا ہے ہمارے دل تو اس سے پردے میں ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہم میں اور تجھ میں ایک حجاب ہے ، اچھا تو اب اپنا کام کیے جا ہم بھی یقیناً کام کرنے والے ہیں۔

آج بھی جہاں کوئی قرآن کریم کی بات کرتا ہے اسے اسی طرح کی باتیں سننے کو ملتی ہیں کہنے کا انداز بدلتا رہتا ہے مفہوم یہی رہتا ہے کہ چھوڑو آپ کیا علم ہے اسلام کے بارے میں؟ یہ کام تو علماء دین کا ہے۔ اور مذہب کے ٹھیکیداروں کا ردعمل بھی اسی طرح کا ہوتا ہے۔ لیکن قرآن کریم کسی مخصوص گروہ یا افراد کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ تو ہر انسان کے لئے ہے اسے کوئی بھی پڑھ سکتا ہے اور سمجھ بھی سکتا ہے۔ اس پر کسی کی اجارہ داری نہیں۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ (41:26)

اور کافروں نے کہا اس قرآن کو سنو ہی مت (اس کے پڑھے جانے کے وقت) اور بیہودہ گوئی کیا کرو کیا عجب کہ تم غالب آ جاؤ۔

کچھ یہی صورت حال آج بھی ہے۔ اگرچہ براہ راست نہیں لیکن بالواسطہ طور پر قرآن کریم سننے سے روکا جاتا ہے۔ یہ وہ سننا ہے جو سمجھنے کے لئے ہو۔ بلا سوچے سمجھے سننے کا تو بہت اہتمام کیا جاتا ہے۔ حسن قرات کے مقابلے کرائے جاتے ہیں، مدرسوں میں قرآن کریم حفظ کرایا جاتا ہے اور تجوید سکھائی جاتی ہے۔ جن لوگوں نے مذہب پر اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی ہے اور وہ عام آدمی کو یہ حق نہیں دیتے کہ وہ خود قرآن کریم کو پڑھے اور اس پر غور کرے۔ وہ یہ کہنے سے بھی گریز نہیں کرتے کہ ایسا کرنے سے انسان گمراہ ہو جاتا ہے۔

وَكَذَٰلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ (43:23)

اسی طرح آپ سے پہلے بھی ہم نے جس بستی میں کوئی ڈرانے والا بھیجا وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے یہی جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم تو انہی کے نقش پا کی پیروی کرنے والے ہیں۔

اس مقام پر بھی مخالفت کرنے والوں کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ آسودہ حال ہوتے ہیں اور دلیل وہی کہ ہم تو اپنے باپ دادا کے نقش قدم پر

چلیں گے۔ آج بھی جب قرآن کریم کی بات کی جائے تو مذہب پرست طبقہ اسی بات پر لوگوں کے جذبات کو مشتعل کرتا ہے کہ دیکھو یہ شخص ان بزرگوں اور عظیم ہستیوں کو غلط کہہ رہا ہے۔

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَن يَهْدِيهِ مِن بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ (45:23)

کیا آپ نے اسے بھی دیکھا؟ جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور باوجود سمجھ بوجھ کے اللہ نے اسے گمراہ کر دیا ہے اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر بھی پردہ ڈال دیا ہے، اب ایسے شخص کو اللہ کے بعد کون ہدایت دے سکتا ہے۔

یہ ایک اور عظیم حقیقت بیان کی گئی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ انسان اپنی خواہشات کو اللہ کا درجہ دے دیتا ہے۔ ایسا کرنے سے وہ جانتے بوجھتے گمراہ ہو جاتا ہے، اس کی سماعت اور قلب پر مہر لگ جاتی ہے، آنکھوں پر پردہ آ جاتا ہے اس کے بعد اسے کون ہدایت دے سکتا ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ وہ کن لوگوں کو ہدایت دیتا ہے اور کون ہیں جو گمراہ ہوتے ہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ راستے کا انتخاب تو انسان ہی نے کرنا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کو اسی کے اختیار کردہ راستے کے مطابق وہاں پہنچا دیتا ہے۔ انسان ہدایت کا راستہ اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ہدایت دے دیتا ہے اور اگر گمراہی کا راستہ اختیار کیا جائے تو گمراہی ملتی ہے۔ محض زبان سے ہدایت مانگنے سے اللہ ہدایت نہیں دیتا اس کے لئے قرآن کریم کو سمجھ کر پڑھنا ضروری ہے۔ وہی ہدایت کا سرچشمہ ہے۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ (47:9)

یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی نازل کردہ چیز سے ناخوش ہوئے، پس اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے۔

یہاں بھی قرآن کریم کو ناپسند کرنے والوں کی ذہنیت بتائی گئی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اعمال رائیگاں چلے جاتے ہیں۔ لوگوں سے قرآن کریم کی باتیں بیان کی جائیں تو ان کا ردعمل ایسا ہوتا ہے کہ جیسے کوئی بہت بری بات کہہ دی ہو۔ اللہ کا پیغام جس اللہ کے رسول کے ذریعے بھی پہنچا اس پر جس قسم کے ردعمل سامنے آئے وہ اللہ کے آخری پیغام قرآن کریم میں آ گئے ہیں۔ اس پیغام پر آج بھی اسی طرح کا ردعمل سامنے آ رہا ہے اور جو کچھ اسلام کے نام سے رائج ہے اس میں قرآن کریم کا حصہ بہت کم ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے جو تجربے سے ثابت ہو سکتی ہے کہ انسان جن مشکلات کا شکار ہوتا ہے وہ لازمی نتیجہ ہوتا ہے ان اصولوں کی خلاف ورزی کا جو قرآن کریم میں درج ہیں۔ اس کے برعکس ان اصولوں پر عمل کرنے سے انسان ہر قسم کی مشکلات سے بچ سکتا ہے۔ اگر ہم سب کا ان پر ایمان پختہ ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ ہماری زندگی خوشگوار نہ ہو۔ البتہ مشکل یہ پیش آتی ہے کہ جن اصولوں پر صرف مملکت ہی عمل پیرا ہو سکتی ہیں ایک فرد نہیں (مثال کے طور پر سیاسی اور معاشی پروگرام) ان سے متعلق امور میں دقت ہوتی ہے۔ لیکن جن اصولوں پر انفرادی طور پر عمل کیا جا سکتا ہے ان کی خلاف ورزی سے صرف اپنے آپ ہی کو نقصان ہوتا ہے۔

وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِندِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ آنِفًا

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ (47:16)

اور ان میں بعض تیری طرف کان لگاتے ہیں ، یہاں تک کہ جب تیرے پاس سے جاتے ہیں تو اہل علم سے پوچھتے ہیں کہ اس نے ابھی کیا کہا تھا؟ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر کردی ہے اور وہ اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں۔

اس آیت میں اس روش کا ذکر ہے کہ جب قرآن کریم کی بات کی جاتی ہے تو بظاہر لوگ سن رہے ہوتے ہیں لیکن وہ انکا ذہن اسے تسلیم نہیں کر رہا ہوتا کیونکہ انہیں کچھ اور بتایا گیا ہوتا ہے۔ وہ تصدیق کے لئے اپنے مکتب فکر کے مذہبی رہنماؤں سے ان کی رائے لیتے ہیں جو اکثر قرآن کریم کے خلاف ہوتی ہے۔ قرآن کریم کو چھوڑ کر کسی اور کی بات کو معیار مان لیا جائے تو اللہ تعالٰی نے یہ بات واضح کردی ہے کہ ایسے لوگ دراصل اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے اور ہدایت کے سرچشمے (قرآن کریم) کو چھوڑ کر کہیں اور سے راہنمائی مل نہیں سکتی۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأَمْرِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِسْرَارَهُمْ (47:26)

یہ اس لیے کہ انہوں نے ان لوگوں سے جنہوں نے اللہ کی نازل کردہ وحی کو برا سمجھا یہ کہا کہ ہم بھی عنقریب بعض کاموں میں تمہارا کہا مانیں گے ، اور اللہ ان کی پوشیدہ باتیں خوب جانتا ہے۔

اس آیت میں بھی اس ذہنیت کا ذکر ہے جو اللہ کے نازل کردہ پیغام کو ناپسند کرتے ہیں۔ اس کا تجربہ ان لوگوں کو اکثر ہوتا ہے جو صرف قرآن کریم کو معیار بنانے کی بات کرتے ہیں تو مذہبی پیشوا کس قدر غصے اور ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں انسانوں کا اتباع کرتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر شخص یہ اطمئنان کرلے کہ وہ ایسا تو نہیں کر رہا؟

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ قُلْ
فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا (48:11)

دیہاتیوں میں سے جو لوگ پیچھے چھوڑ دیئے گئے تھے وہ اب تجھ سے کہیں گے کہ ہم اپنے مال اور بال بچوں میں لگے رہ گئے پس آپ ہمارے لیے مغفرت طلب کیجئے۔ یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے ، آپ جواب دے دیجئے کہ تمہارے لیے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا بھی اختیار کون رکھتا ہے اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے تو یا تمہیں کوئی نفع دینا چاہے تو ، بلکہ تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے اللہ خوب باخبر ہے۔

اس آیت میں اس روش کا ذکر ہے جس میں جنگ کے وقت بہانے بنا کر پیچھے رہ جانے والوں کا ذکر ہے۔ ایسے لوگوں سے آج بھی واسطہ پڑتا ہے جو ویسے تو بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں لیکن وقت پڑنے پر وہ فرار کی راہیں تلاش کرتے ہیں۔ اللہ تعالٰی نے وجہ بتا دی ہے کہ ان کی زبانوں پر وہ بات ہوتی ہے جو دل میں نہیں ہوتی۔

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (49:17)

اپنے مسلمان ہونے کا آپ پر احسان جتاتے ہیں ، آپ کہہ دیجئے کہ اپنے مسلمان ہونے کا احسان مجھ پر نہ رکھو ، بلکہ دراصل اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت کی اگر تم راست گو ہو۔

اس آیت میں ان لوگوں کی ذہنیت بتائی گئی ہے جو اسلام کو وجہ بنا کر احسان جتاتے ہیں یا خود کو دوسروں سے بہتر سمجھتے ہیں۔ ایسے بے شمار لوگوں سے ہمارا واسطہ پڑتا ہے جو دستار، داڑھی اور ماتھے پر پڑے داغوں کی وجہ سے احساس برتری کا شکار ہوتے ہیں اور عام لوگوں سے گفتگو کرنے کا انداز یہ ہوتا ہے جیسے وہ کسی کم تر سے بات کر رہے ہوں۔ اسلام پر عمل کرنے کا فائدہ حاصل ہونے والے نتائج کی صورت میں ہوتا ہے۔ یہ کوئی ذہنی تسکین یا خود فریبی نہیں ہے۔ نہ اس کا مقصد اپنے آپ کو برتر سمجھنا ہے بلکہ یہ اخوت اور باہمی یگانگت پیدا کرتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (58:14)

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا؟ جنہوں نے اس قوم سے دوستی کی جن پر اللہ غضبناک ہو چکا ہے ، نہ یہ (منافق) تمہارے ہی ہیں نہ ان کے ہیں باوجود علم کے پھر بھی جھوٹ پر قسمیں کھا رہے ہیں۔

اس آیت میں منافقانہ روش کا ایک اور پہلو بتایا گیا ہے کہ ان لوگوں سے بھی دوستی رکھی جائے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کے مرتکب ہو رہے ہوں جو ظاہر ہے مفادات پر مبنی ہوگی۔ اس کے لئے جھوٹی قسمیں کھانا انکی عادت ہی بن جاتی ہے۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ O وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ
اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ (62:6-7)

کہہ دیجئے کہ اے یہودیو! اگر تمہارا دعویٰ ہے کہ تم اللہ کے دوست ہو دوسرے لوگوں کے سوا تو تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو۔ یہ کبھی بھی موت کی تمنا نہ کریں گے بوجہ ان اعمال کے جو اپنے آگے اپنے ہاتھوں بھیج رکھے ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

یہاں اللہ کے دوست ہونے کے دعویداروں کی پہچان کے لیے ایک علامت بتائی گئی ہے کہ وہ موت سے کس حد تک خوف زدہ ہیں۔ ہر انسان اپنے بارے میں جانتا ہے۔ وہ چاہے ساری دنیا سے حقائق چھپا لے اپنے آپ سے نہیں چھپا سکتا۔ وہ جانتا ہے کہ اس نے کونسے اچھے عمل کیے ہیں اور کون سے برے۔ اس طرح سے وہ اپنا حساب خود کر سکتا ہے۔ اگر وہ اس خود فریبی میں مبتلا نہ ہو کہ اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے تو وہ یہ جانتا ہے کہ اس کے اعمال کا پلڑا کس طرف جھک رہا ہے۔ جس طرح ایک طالب علم کو اتنا اندازہ تو ہو جاتا ہے کہ اس کے امتحان کا نتیجہ کیسا نکلے گا۔ اگر اس کا اندازہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بہت اچھے نمبر لے کر پاس ہوگا ہو تو وہ چاہتا ہے کہ جلد از جلد نتیجہ نکلے۔ لیکن جسے فیل ہونے کی توقع ہو وہ یہ تمنا کرتا ہے کہ نتیجہ نکلے ہی نہ۔ اسی طرح اگر اعمال اچھے ہوں تو موت سے کیا گھبرانا۔ اس سے مفر تو نہیں ہے۔

وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ O فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (67:10-11)

اور کہیں گے کہ اگر ہم سنتے ہوتے یا عقل رکھتے ہوتے تو دوزخیوں میں نہ ہوتے۔ پس انہوں نے اپنے جرم کا اقبال کر لیا۔ اب یہ دوزخی دور ہوں۔

ان دو آیتوں کو سامنے رکھیں اور پھر ان لوگوں کی جرات کی داد دیں جو منبروں پر بیٹھ کر لوگوں کو بتا رہے ہوتے ہیں کہ مذہب میں عقل سے کام نہیں لینا چاہیے۔ ویسے اگر اسلام کو مذہب قرار دے دیا جائے تو پھر یہ بھی دوسرے مذاہب کی طرح عقل سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ لیکن اسلام تو مذہب نہیں ہے بلکہ یہ مکمل نظام ہے جس کی رو سے ایک فلاحی مملکت قائم ہوتی ہے۔ عام لوگوں کو نہ تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اسلام مذہب نہیں دین (نظام) ہے اور نہ وہ یہ جانتے ہیں کہ یہ حضرت اللہ تعالیٰ کی بات کو جھٹلا رہے ہیں۔

يُّبَصَّرُوْنَهُمْ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۢ بِبَنِيْهِ O وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ O وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ O

وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ (70:11-14)

ایک دوسرے کو دکھائے جائیں گے، گناہ گار اس دن کے عذاب کے بدلے فدیے میں اپنے بیٹوں کو، اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی کو اور اپنے کنبے کو جو اسے پناہ دیتا تھا اور روئے زمین کے سب لوگوں کو دینا چاہے گا تاکہ یہ اسے نجات دلا دے۔

یہاں مجرموں کی وہ کیفیت بتائی گئی ہے جو ظہورِ نتائج پر ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ وضاحت آ گئی ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی کسی دوسرے کے جرم کی سزا بھگت سکے۔ ایک شخص کا عمل دوسرے کے کام نہیں آ سکتا۔ اس میں ان لوگوں کے لئے نصیحت ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ حج بدل کرنے سے یا قرآن خوانی سے مرنے والے کو ثواب پہنچتا ہے۔

وَاِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا (71:7)

میں نے جب کبھی انہیں تیری بخشش کے لیے بلایا انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں اور اپنے کپڑوں کو اوڑھ لیا اور اڑ گئے اور بڑا تکبر کیا۔

آج اگرچہ انگلیاں کانوں میں دینے کی نوبت تو نہیں آتی کیونکہ بغیر سوچے سمجھے سننے میں تو کسی کو اعتراض نہیں ہوتا۔ جس طرح قرآن کریم پڑھا اور سنا جاتا ہے دنیا کی کوئی دوسری کتاب ایسی نہیں ہو گی، بات سوچنے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی ہے جس پر آج بھی اکثریت کا وہی ردعمل ہے جو اس آیت میں آیا ہے۔

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۞ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ (75:20-21)

نہیں نہیں تم جلدی ملنے والی (دنیا) کی محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو۔

ان آیات میں انسانوں کی عام روش کا ذکر ہے کہ وہ مفاد عاجلہ کو اہمیت دیتے ہیں لیکن مستقبل کونظر انداز کر دیتے ہیں۔ ہمارے اردگرد بہت سے لوگ ہیں جو صرف اسی لئے مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں کہ وہ آج کے فائدے کی خاطر کل ہونے والے نقصان کونظر انداز کر دیتے ہیں۔ اگر عمل کرنے سے پہلے نتائج پرنظر رکھی جائے تو بہت سی غلطیوں سے بچا جا سکتا ہے۔ یہی بات آج ماہر نفسیات سٹیفن کوی بتا رہا ہے۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ☆ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ O وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ O
أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ O لِيَوْمٍ عَظِيمٍ O يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ (83:1-6)

بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔ کیا انہیں اپنے مرنے کے بعد جی اٹھنے کا خیال نہیں۔ اس عظیم دن کے لئے ۔ جس دن سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

ان آیات میں محض ناپ تول کی بات نہیں ہے بلکہ دوہرے معیار اور پورا حق نہ دینے کی ہے۔ یعنی لوگ چاہتے ہیں کہ وہ جس طرح کا معاملہ دوسروں کے ساتھ کر رہے ہیں، دوسرے ان کے ساتھ ویسا نہ کریں۔ ہمارے معاشرے میں جتنی بھی سیاسی، معاشی یا معاشرتی ناہمواریاں ہیں ان کا واحد سبب ان آیات کی خلاف ورزی ہے۔ سیاسی اور مذہبی لیڈر اور حکومتی اہلکار عیش کر رہے ہیں مگر عوام ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے اس کی وجہ اللہ تعالیٰ نے بتائی ہے کہ ان کا مرنے کے بعد کی زندگی پر اعتماد نہیں ہوتا۔

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ O الَّذِينَ يُكَذِّبُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ O وَمَا يُكَذِّبُ بِهِ إِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ (83:10-12)

اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے ۔ جو جزا اور سزا کے دن کو جھٹلاتے رہے۔ اسے صرف وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے آگے نکل جانے والا (اور) گناہ گار ہوتا ہے۔

مکافات عمل (یعنی آخرت) پر ایمان کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ یہاں جھٹلانے والوں کا ذکر ہے، انکار کرنے والوں کا نہیں۔ جو لوگ زبان سے اقرار کرتے ہیں لیکن ان کا عمل اس کے خلاف ہو تو ان کا شمار مکذبین میں ہوتا ہے۔ اب ہمیں جائزہ لینا ہوگا کہ ہمارا شمار کن میں ہوتا ہے۔ لوگوں کے طرز عمل کو دیکھ کر یہی محسوس ہوتا ہے کہ آخرت پر حقیقی ایمان کسی کا نہیں۔

☆☆☆

آخر میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ میں نے کوشش کی ہے کہ ان تمام آیات کو یکجا کر دوں جن میں انسانوں کی نفسیات اور طرز عمل کا ذکر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ آیات رہ بھی گئی ہوں۔ مقصد یہ ہے کہ ان آیات کی روشنی میں ہم سب اپنا اور دوسروں کا جائزہ لیں اور ان غلطیوں سے بچیں جن کی نشاندہی کی گئی ہے۔